تصفیۃ العقائد

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

سنہ ۱۳۴۲ھ

یعنی

وہ دلچسپ مراسلت جو شمس العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب طاب ثراہ بانی
دار العلوم دیوبند - اور اُس زمانہ کے سی - ایس - آئی بہادر بانی علیگڈہ کالج کے
درمیان عقائد ملتِ اسلام اور اصول شریعت حنفیہ کی تحقیق و تنقیح کے متعلق مدتوں
تک رہی - اور جس نے صرف یہ کہ انصافاً تمام مختلف فیہ مسائل کا مختصر پیرایہ
میں فیصلہ کر دیا بلکہ بہت سے متفق علیہ مسائل کی حقیقت فہمی میں بھی اہل اسلام کو
قیمتی مدد پہنچائی

باہتمام حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب دام فیضہ

بتصحیح تام و تنقیح مالا کلام و بانتظام اقل الانام محمد عماد الدین انصاری ناظم مطبع غفرلہ

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و صلوۃ کے بعد طالب نجات محمد حیات عرض کرتا ہے کہ کچھ عرصہ گذرا کہ جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اور جناب سید احمد خانصاحب سی ایس آئی کے درمیان پیرجی محمد عارف صاحب کے توسط سے ایک مراسلت دربارۂ عقائد اسلام ہوئی تھی۔ ازبس کہ مولانا ممدوح یادگار سلف و افتخار خلف ہیں اور اس زمانہ میں کہ علوم اسلامیہ کو تنزل ہو گیا ہے ایسے عالم ربانی اور فاضل حقانی جو شرع اسلام کے غوامض و نکات کی تہ کو سمجھیں اور اسکے کمالات ظاہر و باطن کے مظہر ہوں نہایت مغتنمات سے ہیں لہٰذا میں نے خیال کیا کہ حضرت موصوف کا کلام فیض التیام جو صدق و دیانت اور استحسان و متانت سے بھرا ہوا ہے اور محض صلاح و سداد و ہمدردی و وداد کی نیت سے ہی معرض طبع میں آوے تاکہ ہمارے معاصرین علوم جدیدہ کی درخشانی اور نئی روشنی کی براقی سے خیرہ نہوں بلکہ عقائد اسلام کی اصلی تنویر اور حقیقی ضیا سے چشم بصیرت کو روشن کریں اور نیز سید صاحب ممدوح جو تصفیہ و تنقیح کے عقائد اسلام میں صرف محبت و دلسوزی اور قومی ترقی حال و مآل کی نظر سے چاہتے ہیں اوسکا اندازہ اہل روزگار بخوبی کر سکیں تعصب و نفسانیت میں مبتلا نہوں کیونکہ جو امر حق و درست ہے اوسکو بلا شبہہ اختیار کرنا اور نقص و زوائد سے بچنا چاہئے۔ اس مراسلت کی طبع سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسکے ملاحظہ سے کسی کی نسبت مباہات و تفاخر اور کسی سے مخالفت و تنافر ظاہر ہو بلکہ ناظرین سے التجا کرتا ہوں کہ وہ بلا لحاظ اس امر کے کہ متکلم کون ہے کلام سے نصیحت و برکت حاصل کریں ورنہ یہ بات ہے کہ موافقت و مخالفت کے اعتبار سے محض دل خوش کرنے کیلئے یہ مراسلے چھاپے جاتے ہیں میں توقع رکھتا ہوں کہ عقائد اسلام کے حقائق سمجھنے میں اس تحریر سے اہل بینش کو تصفیہ حاصل ہوگا اور اوسی نظر سے نام بھی اسکا تصفیۃ العقائد رکھدیا گیا۔

اعتقاد رکھنا شرک فی النبوۃ ہے۔

مقصود یہ ہے کہ جسطرح عام انسانوں اور پیغمبر میں تفاوت ہے اوسیطرح اونکے قول وفعل میں بھی تفاوت ہے

ہفتم۔ دینیات میں سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دنیاوی امور میں مجاز اس مقام پر سنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہیں فقط

ہشتم۔ احکام منصوصہ احکام دین مابالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی سب ظنی ہیں۔

نہم۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا پس اگروہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اوسکے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہوں مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اوسکی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں۔

دہم۔ افعال ماموره فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اونکے خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسے کہ طبیب جو ادویہ کے ضرر و نفع سے مطلع کردے اسمقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو۔

یازدہم۔ تمام احکام مذہب اسلام کی فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا ور سوجھا کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکیگا۔

دوازدہم۔ وہ قوی جو خدا تعالے نے انسان میں پیدا کیے ہیں اون میں وہ قوا بھی ہیں جو انسان کو کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوۃ بھی ہے جو اوس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے۔ ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے مگر ازل سے خدا کے علم میں سب ہے کہ فلاں انسان کن کن قوا کو اور کس کس طور پر کام میں لاویگا۔ اوسکے علم کے برخلاف ہرگز نہ ہوگا مگر اس سے انسان اون قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جبتک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے اوسمیں ہیں مجبور نہیں متصور ہو سکتا۔

سیزدہم۔ دین احکام اون مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں فقط

چہاردہم۔ احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور وہ بالکل فطرت کے مطابق دوسرے وہ جنسے اون اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت اور عمل میں اون دونوں کا رتبہ برابر ہے۔

خط سید احمد خاں صاحب۔ سی۔ ایس۔ آئی

جناب پیرجی صاحب مخدوم مکرم سلامت۔ بعد سلام مسنون کے عرض یہہ ہے کہ بزرگان سہارنپور نے جو نوازش و دلسوزی میرے حال زار پر کی جسکا ذکر آپنے مجھسے فرمایا میں دل سے اونکا شکر ادا کرتا ہوں اگر جناب مولوی محمد قاسم صاحب تشریف لاویں تو میری سعادت ہے میں اونکی کفش برداری کو اپنا فخر سمجھونگا مگر اسوقت مرزا غالب کا ایک شعر مجھے یاد آیا ہی وہو ہذا ؎ حضرت ناصح جو آویں دیدہ و دل فرش راہ ٭ کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاوینگے کیا ٭ جناب من میری تمام تحریریں جنکے سبب میں کافر و مرتد ٹھرا ہوں اور وحدانیت و رسالت کی تصدیق کے ساتھ کفر جمع ہوا ہے جو میرے نزدیک محالات سے ہے چند اصول پر مبنی ہیں اگر آپ مناسب سمجھیں تو اون اصولوں کو بزرگان سہارنپور کی خدمت میں بھیجدیں اگر اون میں کچھ غلطی ہے تو بلاشبہہ نصیحت ناصح کارگر ہوگی ورنہ ایسا نہ ہو کہ ناصح بھی مجھ سے نہ ہو جاویں۔ اور وہ اصول یہ ہیں۔

اوّل خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے۔

دوئم۔ اوسکا کلام اور جسکو کہ اوسنے رسالت پر مبعوث کیا اوسکا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ نہیں ہو سکتا۔

سوم قرآن مجید بلاشبہہ کلام الہی ہے کوئی حرف اوسکا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقعہ۔

چہارم قرآن مجید کی جسقدر آیات کہ ہمکو بظاہر خلاف حقیقت یا خلاف واقعہ معلوم ہوتی ہیں دو حال سے خالی نہیں یا تو اون آیات کا مطلب سمجھنے میں ہمسے غلطی ہوئی ہے یا جسکو ہمنے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اوسمیں غلطی کی ہے۔ اسکے برخلاف کسی محدث یا مفسر کا قول قابل تسلیم نہیں ہے۔

پنجم جسقدر کلام الہی جناب پیغمبر خدا صلعم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے ایک حرف بھی اوس سے خارج نہیں ہے اگر ہو تو کوئی آیہ قرآن مجید کی بطور یقین حق نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے برخلاف ہو فقط نہ ملنا کسی آیت کا اوسکے عدم وجود کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

ششم کوئی انسان سوائے رسول خدا صلعم کے ایسا نہیں ہے جسکا قول و فعل بطور سند قول و فعل رسول کے دینیات میں قابل تسلیم ہو۔ یا جسکی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو نہ کسی عالم

فقط قبضہ ہے جو خالق میں بوجہ اتم پایا جاتا ہے کون نہیں جانتا کہ وجود ممکنات مستعار وعرضی
ہے جسکے لئے معطی اور موصوف بالذات وہی موجود برحق ہے اور ظاہر ہے کہ صفات عرضیہ عین
حالت عروض میں موصوف بالذات ہی کے قبضہ میں رہتی ہیں نکل نہیں جاتیں دیکھ لیجئے وقت
تنویر ارض بھی نور آفتاب ہی کے قبضہ میں رہتا ہے نکل نہیں جاتا اسلئے تمام کائنات پر ہر قسم کے
حکم احکام کا اختیار رکھتا ہے کسی دوسرے کے ملک کی ہوتی تو البتہ اوسکی اجازت جناب باری کے
لئے ایک پیمانہ تصرف ہو سکتا تھا باقی رہا حسن وقبح کا جھگڑا اوسکا مبنی اگر اسی حکم پر ہے تب تو
جواب فصل دوم
ہر حکم حسن ہے ورنہ مراعات حسن وقبح درباره امر ونہی بوجہ مجبوری نہیں بوجہ حکمت وفضل ہے
دوم کلام خداوندی اور کلام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مخالف حقیقت اور مخالف واقع نہیں ہوسکتا
ایسے ہی حقیقت اور واقع کے دریافت کرنے کی صورت اس سے بہتر کوئی نہیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کیطرف رجوع کیا جاوے سو اگر کوئی طریقہ درباره اخبار واقع وحقیقت
مخالف کلام اللہ اور احادیث صحیحہ ہو تو کلام اللہ اور احادیث کے وسیلہ سے اوسکی تغلیط کرسکینگے پر کلام اللہ
اور احادیث کی تغلیط اوس طریقہ کے بھروسے نہیں کرسکتے اس صورت میں اگر اشارہ عقل معارض
اشارہ نقل ہو تو ہرگز قابل اعتبار نہیں غرض عقل کی بات یہ ہے کہ کلام اللہ اور احادیث صحیحہ بمنزلہ حجت
اور مسلم دلائل عقلیہ سمجھے جائیں نہ برعکس علی ہذا القیاس مضمون متبادر کلام اللہ وحدیث کو باعتبار
قواعد صرف ونحو دلالت مطابقی سمجھے جاتے ہوں اصل مقرر کر کے دلائل عقلیہ کو اوسپر مطابق کریں اگر
جواب فصل سوم
کھینچ کھانچ کر بھی مطابق آجائے تو فبہا ورنہ قصور عقل سمجھیں یہ نہو کہ اپنے خیالات واوہام کو اصل سمجھیں اور کلام اللہ
وحدیث کو کھینچ تان کر اوسپر مطابق کریں۔ سیوم اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ قرآن مجید کا کوئی کلمہ خلاف واقع
نہیں مگر اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کبری کلیہ کیلئے کوئی صغری جزئیہ بوسیلۂ عقل دریافت کرلینا
ہمسے بیچمدانوں کا تو کیا حوصلہ جناب سید صاحب اور مولوی مہدیعلی خانصاحب کا بھی کام نہیں یعنی بوسیلہ عقل یوں
نہیں کہہ سکتے کہ یہ حقیقۃً او واقع اور کہیں تو تاوقتیکہ کلام اللہ کے معنی متبادر مطابقی کے مطابق ہے تو برسر
جواب فصل چہارم
چشم ورنہ کلاسے زبون برش خاوند مگر یہ یاد رہے کہ معنی مطابقی سے زیادہ لینے کی اجازت نہیں ہاں اگر کوئی
اور دلیل نقلی یا عقلی سے ایسی بات ثابت ہو جائے جو معنی مطابقی کے مخالف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔
غرض جاء زید سے زید کا فقط آنا ثابت ہوگا سوار ہونے یا پیادہ آنے سے سروکار نہیں۔ چہارم۔ وقبح مخالف

غریبوں کے فہم و فراست کا کہیں ایک بھی نہیں سنا۔ اسصورت میں کیونکر کہدیجے کہ سید صاحب ایک
غریب شیخ زادہ کی مان جائیں ع کب وہ سنتے ہیں کہانی میری * اور پھر وہ بھی زبانی میری
ہمیسے شکستہ حالونکی باتونپر موافق مصراع غالب ع میں کہونگا حال دل اور آپ فرمائینگے کیا۔
ایسے عالی مراتب دانشمند ہرگز توجہ نہیں فرمایا کرتے باایںہمہ ایسی چھیڑ چھاڑ ونہیں کبھی نہیں دیکھا
کہ کسی ادنی نے بھی کسی اعلی کی مانی ہو۔ اسصورت میں ایسی بر عکسی کی کیا امید باندہیے۔
پیرجی صاحب یہ گمنام کبھی کسی سے نہیں اولجھتا اور اولجھے بھی تو کیونکر اولجھے وہ کونسی خوبی ہے
جسپر کمر باندھ کر لڑنے کو تیار ہو ایسی کیا ضرورت ہے کہ اپنے عمدہ مشاغل کو چھوڑکر اس نفسا
نفسی میں پھنسوں ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ سنی سنائی سید صاحب کی اولوالعزمی اور دردمندی
اہل اسلام کا معتقد ہوں اور اسوجہ سے اونکی نسبت اظہار محبت کروں تو بجا ہے مگر اتنا پایا کہ
سے زیادہ اونکے فساد عقائد کو سُن سُن کر اونکا شاکی اور اونکی طرف سے رنجیدہ خاطر ہوں مجھکو
اونکی کمال دانش سے یہ امید تھی کہ میرے اس ہیچ کو ثمرہ محبت سمجھکر تہ دل سے اپنے اقوال
میں مجھسے استفسار کرینگے باین خیال کہ گاہ باشد کہ کودک ناداں * بغلط بر ہدف زند تیرے *
اسطرف کو دل لگا ئینگے مگر اونکی اس تحریر کو دیکھکر دل سرد ہو گیا۔ یہہ یقین ہو گیا کہ کوئی کچھ کہو
وہ اپنی وہی کہے جائینگے اونکی انداز تحریر سے یہہ بات نمایاں ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ایسا سمجھتے
ہیں کہ کبھی غلط نہ کہیں گے اسلیئے جی میں یہ آتا ہے کہ قلم ہاتھہ سے ڈالدیجے۔ مگر کیا کروں آپکا تقاضا
جدا جان کو کھائے جاتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد جدا ہی ڈراتا ہے گویم مشکل وگرنگویم
مشکل جب نے کہے نہ بنی تو قلم کو روک روک کر کچھ مختصر مختصر ایکبار عرض کر دینا مناسب جانا اور جی میں
یہ ٹھانا کہ ہرچہ بادا باد پھر قلم نہ اوٹھانا کہیں مدلل کہیں بے دلیل ایکبار تو اپنے مافی الضمیر کو لکھ کر روانہ
کرائے اگر سید صاحب نے انصاف فرمایا تو پھر بھی دیکھا جائیگا ورنہ اپنے حق میں کوئی جائز نہیں جو
مجبوری کا اندیشہ ہو بہرحال بہ ترتیب اصول مسطورہ سید صاحب یہہ معروضات معروض ہیں۔ اوّل
واقعی خداواحد ذوالجلال ازلی و ابدی خالق و صانع تمام کائنات کا ہے فاعل ہوں یا افعال
اور افعال بھی اختیاری ہوں یا اضطراری اور یہی وجہ ہے کہ خداوند لایزال کو مالک کائنات اور
کائنات کو اسکا مملوک سمجھنا چاہیئے کیونکہ اسباب انتقال ملک اگرچہ متعدد ہوں پر علت حدوث ملک

جواب اصول اول

پانزدہم۔ تمام افعال واقوال رسول خدا صلعم کے سچائی پہ تھے مصلحت وقت کی نسبت کسی فعل کیطرف کرنی سخت بے ادبی ہے جسمیں خوف کفر ہے۔

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت وقت کے معنی سمجھے ہیں یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بیجا تھا مگر مصلحت وقت کا لحاظ کرکرا وسکو کیدیا یا کرلیا اگرچہ اونکے سوا اور چند اصول بھی ہیں مگر آجتک جو کچھ تحریر ہوئی ہے وہ اکثر یا قریب کل کے سوائے ایک آدہ مسئلہ کے انہیں اصول پر مبنی ہے۔ پس اگر بزرگان سہارنپور ان اصول کی غلطی سے مجھے مطلع فرماوینگے میں دل وجان سے شکر ادا کرونگا۔ والسلام۔

سید احمد

جواب از طرف جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجموعہ عنایات پیرجی محمد عارف صاحب السلام علیکم علی من لدیکم آج بندہ درگاہ دلی سے میرٹھ واپس آیا تو مولوی محمد ہاشم صاحب نے مولانا محمد یعقوب صاحب کا عنایت نامہ جو آپا رکھا تھا عنایت فرمایا کھولا تو آپکا خط اور جناب سید احمد خانصاحب کی ایک بڑی تحریر اندر سے نکلی شاید یہ قصہ اوس گفتگو کا نتیجہ ہے جو آخر ماہ شوال میں بمقام انبہٹہ مابین احقر و جناب ہوئی تھی سید صاحب کی تحریر سے کچھ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپنے میرے آنیکا کچھ تذکرہ اونسے کیا ہوگا مگر مجھکو یاد نہیں آتا کہ آپنے کس بات سے سمجھا ہوگا اوسوقت کی عرض و معروض کا حاصل فقط اتنا ہی تھا کہ سید صاحب کی ہاں میں ہاں ملانا ہمیں جبھی متصور ہے کہ سید صاحب اپنے اون اقوال مشہورہ سے رجوع کریں جو اونکی نسبت ہر کوئی گاتا پھرتا ہے اور سید صاحب اونپر اصرار کیئے جاتے ہیں اور رجوع نہیں فرماتے مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ گذارش میری طرف سے آپکی اوس استدعا کے جواب میں تھی جو آپنے دربارۂ شمول حال جناب سید صاحب اس ناکام سے کی تھی۔ بہرحال لے جانیکا کچھ مذکور نتھا آپ ہی فرمائیں کہ ہمسے گرفتاروں کو اتنی رہائی کہاں کہ بنارس غازیپور دوڑ جائیں۔ اور ہمسے بیچاروں کو اتنی رسائی کہاں کہ سید صاحب کے در دولت تک نوبت پہونچائیں اپنا مبلغ پرواز میرٹھ حد نہایت دلی ہے نقارخانہ میں طوطی کی کون سنتا ہے کیا آپکے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ صدر الصدور اعظم ایک غریب سے مزدور کے طور پر ہو جائیں اجی حضرت امیروں کے ذہن و فہم و عقل و ادراک کے ہزاروں گواہ ہوتے ہیں

و اولیا کی اول تو اس عہدہ نیابت میں کلام یعنی اونکا عالم اور مستحق نیابت ہونا یقیناً معلوم نہیں ہوتا
دوسرے اگر انکی نیابت معلوم بھی ہو جائے یعنی یقین بھی ہو جائے کہ یہ اس مرتبہ کے عالم ہیں تو اسمیں کلام رہتا ہے کہ یہہ
قول و فعل بوجہ ہوا و ہوس یا نسیان و خطا تو صادر نہیں ہوا ہاں اس قسم کے خیالات البتہ ظنی
ہو سکتے ہیں یعنی جیسے بوسیلہ آثار کسیکا شجاع ہونا یا نامرد ہونا یا سخی ہونا یا بخیل ہونا یا صادق یا کاذب ہونا یا
خوش اخلاق بد اخلاق ہونا یا دوست دشمن ہونا یا متقی فاسق ہونا یا مومن کافر ہونا معلوم ہو جاتا ہے
اور وہ علم موافق قواعد معلومہ ظنی ہوتا ہے ایسا ہی کامل العلم یا ناقص العلم ہونا یا تابع رضائے خدا یا تابع
ہوا و ہوس ہونا بھی چھپا نہیں رہتا اور اسبات میں ویسا ہی یقین حاصل ہو جاتا ہے جیسا امور مذکورہ
میں مگر چونکہ اہل علم اسکو یقین نہیں کہتے بلکہ اس یقین عوام کا نام اونکے نزدیک ظن ہے تو احکام ظن
اوسپر عارض ہونگے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کم سے کم وجوب کیلئے ظن ضرور ہے تا مرتبہ شک ایجاب حکم متصور
نہیں اور جب مرتبہ شک سے ترقی حاصل ہو یعنی ظن پیدا ہو جائے تو پھر وجوب آ دباتا ہے یہی وجہ ہے کہ
قاضی دو گواہ عادل سنکر اگر حکم مخالف مدعی دے تو گنہگار ہو علی ہذا القیاس مخالفت حدیث واحد بشرط
صحت موجب فسق ہے اگر در صورت ظن وجوب نہوا کرتا تو اس گنہگاری اور فسق کی کوئی وجہ نہ تھی
اور ظاہر ہے کہ قاضی کو دو گواہوں سے یا سامع کو حدیث واحد سے یقین مصطلح حاصل نہیں ہو سکتا ہاں غلبہ
ظن کہیے تو بجا ہے مگر ظن اگر موجب مراعات ہے اور سرمایۂ وجوب ہے تو جہاں دینیات میں دو قول
مختلف ہوں اور ایک کی طرف ظن غالب ہو تو موافق قاعدہ مذکورہ جسپر قواعد شرعیہ بھی مبنی ہیں اور
عقل شاہد ہے وہی وجوب عائد ہوگا ہاں اختلاف ظنون ممکن ہے ہو سکتا ہے کہ کسیکو ایجاب کیجانب ظن ہو
کسیکو سلب کیجانب بہرحال یہہ کہدینا کہ کسیکا قول و فعل بلا سند قابل تسلیم نہیں از روئے بیان بالا قابل
تسلیم نہیں اور کیونکر علی الاطلاق ایسی بات کہدیجے نہ تو کہنے والے کو اس بات کی گنجائش کہ اگر کسیکا قول
و فعل بلا سند معلوم قابل تسلیم نہیں تو راویونکا یہ کہنا کہ یہ روایت قول خداوندی ہے یا قول نبوی صلی
اللہ علیہ وسلم کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے اگر بوجہ صداقت ظن صحت اور حسن ظن ہے تو فقہاء اور علماء
نے کیا گناہ کیا ہے اونکے ساتھ بھی حسن ظن چاہیے اگر اونکے قول کیلیے ہمکو سند معلوم نہیں تو در باب
وجود ماخذ قول مذکور فقہا اور علماء ربانی روایت حدیث سے استحقاق حسن ظن میں کم نہیں غرض فقہاء
در باب اقوال مستخرجہ دو منصب رکھتے ہیں ایک تو یہی منصب استخراج و استنباط دوسرے منصب روایت

کلام اللہ نہ کسی محدث کا قول معتبر ہے نہ کسی مفسر کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائیگی
مگر تخالف اور توافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں اسکے لئے تین علموں کی ضرورت ہی ایک تو علم یقینی معانی
قرآنی دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جسکو یہ منصب خدا عطا کرے اوسکے بڑے
نصیب ورنہ یوں جاہل اور نیم ملا اسبات میں ٹانگ اڑانے لگیں تو انکا یہ دخل بیجا ایسا ہی ہوگا جیسے کسی
طبیب حاذق کی بات میں کسی نادان یا کسی نیم طبیب کا دخل سو جیسے طبیب حاذق سے بوجہ خطا و نسیان
ذاتی مخالفت قواعد طب کسی خاص واقع میں ممکن ہے پر اوسپر گرفت کرنا مریض نادان یا نیم طبیب کا
کام نہیں ایسے ہی محدث اور مفسر سے مخالفت غرض قرآنی بوجہ خطا و نسیان ممکن ہے پر ہمسے جاہل یا ہمسے
نیم ملا کا یہ منصب نہیں کہ ہم بھی اوسکو دریافت کرسکیں یا درباب صحت تخالف ہمارا قول معتبر ہوسکے
ہاں البتہ یہ بات ممکن ہے کہ دو تفسیریں سنکر بشہادت وجدان ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح سمجھیں
اس لئے کہ بات کا نکالنا مشکل ہے پر بتلانے پر سمجھ لینا آسان ہے بہرحال ہر کارے و ہر مردے مخالفت
کا سمجھ لینا ہر کسیکا کام نہیں اور بعد اطلاع مخالفت جب اکابر کے اقوال قابل قبول نہ ہوئے تو ہمارے

جواب سوال پنجم

تمہارے یا سید صاحب کے اقوال اگر مخالف کلام اللہ یا حدیث ہونگے تو بدرجہ اولے مقبول نہونگے۔ پنجم یہ کہ
کسی آیت کا منسوخ الحکم ہو کر دفتین سے خارج ہوجانا وجوب عمل قرآنی میں کچھ حارج نہیں اگر ہمکو کسی آیت
معلومہ کا منسوخ التلاوۃ ہوجانا معلوم ہوجائے تو ہرگز تیقن احکام واجبہ میں کچھ فرق نہیں پڑتا ہاں بصورتیکہ
آیت خارجہ معلوم التشخص والحکم نہو تو البتہ پھر یہ احتمال ہے کہ شاید وہ حکم ناسخ ہو اور کوئی حکم احکام موجودہ
میں سے منسوخ یا برعکس کیجئے اسصورت میں واجب و غیر واجب کا پہچاننا حد بشر سے خارج ہوجائیگا اور دربارہ

جواب سوال ششم

شناخت حق و باطل اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت پر چنداں تفوق نہو۔ ششم۔ خداوند کریم بالذات مطاع
ہے اور انبیا بوجہ رسالت اور علما بوجہ تبلیغ رسالت غرض خدا کو بمنزلہ بادشاہ سب کا افسر سمجھو اور انبیاء کو
بمنزلہ وزرا یا نواب جنکی حکومت مستقل نہیں ہوتی بلکہ عطاء بادشاہی اور مستعار ہوتی ہے جب چاہے
چھین لے اور حکام ماتحت جو زیر حکم وزرا و نواب ہوا کرتے ہیں وہ اور بھی نیچے کے درجہ میں ہوتے ہیں
کیونکہ وہ انہیں وزرا اور نواب ہو کر حکمرانی کیا کرتے ہیں بہرحال بعد خدا بالذات مطاع و حاکم کوئی نہیں
ان الحکم الا للہ مگر ہاں اتنا فرق ہے کہ انبیا کا مطاع ہونا اگرچہ بالعرض کیوں نہو بوجہ تیقن رسالت یقینی
ہوتا ہے اور پھر بوجہ معصومیت احتمال دخل فصل نہیں ہوتا فقط ایک ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے اور علماء

وملزوم ہے تو اس صورت میں قول و فعل مذکورہ اس شخص کے حق میں قابل تسلیم ہے بلکہ اگر اس شخص کو اورونکی نسبت اوس قائل و فاعل کے ساتھ زیادہ ظن غالب ہو تو بیشک بتوافق قواعد مشارالیہا واجب التسلیم ہوگا کیونکہ ہر شخص درباب دین اپنے ظن غالب کا کم سے کم محکوم ہے لیکن اتنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ منصب مذکور کے حاصل ہونے سے پہلے خود رائی ایسی ہے جیسے اندھا بے کسیکی ہدایت کے رہروی اختیار کرے عربی ترجمہ کر لینے سے فقط یہ بات حاصل نہیں ہو جاتی اگر کوئی شخص عربی داں حافظ کلام اللہ و حدیث بھی ہو تو کیا ہے اندھا شمع کے ہاتھ میں لے لینے سے سوجھا نہیں ہو جاتا اور پنساری دواؤں کے جان لینے سے طبیب نہیں بن جاتا باقی تفاوت واقع فیما بین انبیاء و علماء کرام مسلم مگر یہ تفاوت قادح وجوب مذکور نہیں ورنہ وہ تفاوت جو خداتعالی اور انبیا علیہم السلام میں واقع ہے اس تفاوت سے زیادہ ہے جو پیغمبروں اور اونکے امتیوں میں ہوتا ہے سو اگر محض تفاوت موجب سقوط اعتبار ہے تو یہ بات تو دور تک پہونچتی ہے اور اگر اضافت خداوندی یعنی یہ بات کہ قول انبیاء کرام در پردہ فرمودۂ خداتعالی ہوتے ہیں موجب وجوب اتباع ہے تو یہاں بھی یہ اضافت اپنا کام کریگی ہاں یہ مسلم کہ وہاں علم اضافت یقینی اور یہاں بوجہ احتمال خطاء وغیرہ ظنی اسلئے تفاوت فی الوجوب پیدا ہوگا پر شرک فی النبوۃ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں۔ ہفتم۔ یہ بات مسلم کہ اطاعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دین میں ضرور ہے لیکن اگر احکام دین اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نام ہو تو پھر معلوم نہیں کہ اس تفریق کے کیا معنی ہونگے کہ درباب اتباع دین تو ہم مجبور ہیں پر درباب امور دنیاوی مجاز ہاں یوں کہئے کہ ایک امر ہوتا ہے اور ایک مشورہ امر اگر ایجاب کیلئے ہے تو اتباع واجب ہے اور استحباب کیلئے ہے تو مستحب اور مشورہ میں رسول اللہ صلعم ہوں یا اور کوئی واجب الاتباع کوئی نہیں بلکہ خدا کیطرف سے اتباع مشورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں امر استحبابی تک نہیں لیکن ظاہر ہے کہ افعال اختیاری پر دو ثمرہ متفرع ہو سکتے ہیں منفعت و مضرت دنیوی یا منفعت و مضرت اخروی سو بیان منافع و مضار دنیوی میں تو البتہ گنجایش مشورہ مذکور ہے پر درباره منافع و مضار اخروی انبیاء کو مشیر سمجھنا شرک فی النبوۃ کی بنا کو مستحکم کرنا ہے یا انبیاء کرام علیہم السلام کو مثل عوام سمجھنا اگر بنا مشورہ وحی پر ہوا کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم ہوا و شاورہم فی الامر اوس سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مشورہ سنت ہو گیا تو اسکے یہ معنی ہوں کہ آپ خاتم النبیین نہیں اور اگر مشورہ محض ذاتی

یعنی یہہ کہنا کہ اس حکم کیلئے کوئی ماخذ ہے کیونکہ یہ منصب ثانی اگر اونکے لیے تجویز نہ کیا جائے تو یہ معنی ہوں
کہ یہ لوگ کذاب اور دروغگو تھے سو باوجود آثار صدق و دیانت اگر کسی کو کذاب کہنا جائز ہے تو راویان
حدیث صحیح کے کذاب کہدینے سے کون مانع ہے بالجملہ فقہار و ربانیین کو درباب ماخذ اگر راوی نہ سمجھا
جائے تو پھر دین کے لیے کوئی حجت ہی نہ ملے گی ہاں یہ بات مسلم کہ منصب اول میں گنجایش تاویل
ہے اسلئے احتمال ثانی بھی رہتا ہے جسکے باعث یہ دوسرا ظن یہاں پیدا ہو گیا ہے اور اسوجہ سے وجوب
متعلق احکام مستخرجہ فقہار مسلمین وجوب متعلق احکام منصوصہ سے رتبہ میں کم ہوگا گر کمی ایسی ہی ہوگی
جیسے نماز کی فرضیت اور روزہ کی فرضیت میں تفاوت کمی بیشی ہے اسلئے یہہ کہنا تو غلط کہ قابل تسلیم
نہیں ہاں یہ بات مسلم کہ اوسکے انکار سے کفر عائد نہیں ہوتا پر انکار تو حدیث واحد کا بھی موجب کفر نہیں
اگر ہے تو موجب فسق ہے سو وہی فسق یہاں بھی لازم آئیگا بہت نہیں تھوڑا ہی سہی علی ہذ القیاس
یہ کہنا کہ دوسروں کے قول کو قابل تسلیم سمجھنا شرک فی النبوۃ ہے علی الاطلاق درست نہیں یہ بات جب ہے
کہ کسی دوسرے کو قطع نظر اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا سمجھے کہ اوسکا قول فعل بہر نہج واجب الاتباع
ہے سو اس قسم کا معاملہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کرے جیسا تابعان رسوم آبار بمقابلہ سنن مرسلین
باوجود تیقن ثبوت سنت و یقین بے سندی رسوم آبار کیا کرتے ہیں وہ شخص بیشک مصداق شرک
فی النبوۃ ہے اگر اپنے آبار کے ساتھ اونکو بھی عقیدہ جو انبیا علیہم السلام کے ساتھ اونکے پیرونکو ہونی
چاہیے تب وہ لوگ مشرک حقیقی اور کافر تحقیقی ہیں ورنہ خوف تشنیع ابنار روزگار اگر فقط باعث اتباع
رسوم ہے تو اسصورت میں ایک ضعیف سا ایمان اس شرط پر متصور ہے کہ انبیار وقت کے ساتھ
اعتقاد کمال مبنی رکھتا ہو بہر حال اگر قائل قول و فاعل فعل مستحق حسن ظن مورد ظن درباب کمال علم
و دیانت و امانت ہے اور اس امر میں اوسکے آثار اون دونوں کمالو نپر ایسی طرح شاہد ہوں
جیسے دلاوران مشہور یا اسخیار معروف کے آثار اونکی شجاعت و سخاوت پر شاہد تھی پھر تسپر اونکی طرف
سے اوس فعل و قول کی نسبت صراحۃً یا اشارۃً یہ دعویٰ بھی ہو کہ یہ حکم خدا تعالیٰ یا سنت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اسطرف ارباب علم منصب ہو کہ مسائل دینیہ میں یہ پہچان سکیں کہ اس
موضوع و محمول میں باہم ارتباط ذاتی ہے یعنی موضوع محمول کے حق میں علت اور ملزوم ہے اور محمول
اوسکے حق میں معلول اور لازم ذات یا عرضی ہے یعنی ایک دوسرے کیلئے علت و معلول لازم و ملزوم

وعلمناہ من لدنا علما فرماتے ہیں کشتی مساکین کو ظلماً توڑ ڈالا اور طفل نابالغ کو بیگناہ قتل کر ڈالا یہ کلام الہام میں موجود ہے آیات آخر رکوع یعنی اما السفینۃ سے لیکر آخر رکوع تک سے قطع نظر کیجیے تو ابنار روزگار سے پوچھ دیکھیے یہی کہیں گے کہ حضرت خضر کا قاتل بیگناہ۔ اور خارق سفینۂ ظلماً ہونا منقول ہے غرض اکثر یہ ہوتا ہے کہ معنی حقیقی موضوع سے زیادہ بوجہ خیالات طبعزاد جو الفت و عادت پر مبنی ہوتے ہیں اور معنی زائد لگا لیتے ہیں اور خود انکو یہ تمیز نہیں ہوتی کہ یہ ایجاد اپنی طبع کا ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اکثر ابنار روزگار بلکہ کل اسی قسم کے نظر آتے ہیں آخر یہ کسکی کلام اوسکے مبلغ فہم پر دلالت کرتی ہیں مگر آجکل اکثر عالم کو بوجہ انصاف وہ عالم نہیں نیم ملا ہیں اپنے آپکو عالم فن دین کچھ ایسا سمجھ جاتے ہیں جیسے بندر نے نیل کے ماٹ میں گر کر اپنے آپ کو طاؤس سمجھ لیا تھا انصاف کی بات جسکو اہل فہم خواہ مخواہ مان جائیں یہ ہے کہ علم کے تین مرتبہ ہیں ایک وہ جسکی طرف جملہ یتلو علیہم آیاتہ دلالت کرتا ہے اسکا ماحصل تو فقط اتنا ہے کہ عربی میں زبان دانی حاصل ہو جائے دوسرا وہ مرتبہ جسکی طرف یعلمہم الکتاب مشیر ہے اس مرتبہ کی حقیقت یہ ہے کہ مجملات کلام اللہ کو شخص سمجھ جائے تفصیل اس اجمال کی بقدر مناسب یہ ہے کہ مفہومات کلیہ کیلئے ہزارہا تشخص محتمل ہوتے ہیں مثلاً انسان ایک مفہوم کلی ہے اور زید عمرو بکر کی خصوصیات زائدہ اوسکی تشخصات سوا اسکے ہیں اگر کوئی مفہوم کلی مصرح مذکور ہو اور اوسکا تشخص و تعیین مصرح تو مذکور نہو پر سیاق و سباق اور لواحق و توابع کے وسیلہ سے بشرط رسائی فہم معلوم ہو سکتا ہو تو جو شخص اس بات کو بتلائے وہ معلم کتاب کہلائیگا الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم میں لفظ ظلم ایک مفہوم کلی پر دلالت کرتا ہے جسکے لئے صغیرہ اور کبیرہ اور شرک بدعت افراد ہیں مصرح اگر موجود ہے تو وہی مفہوم کلی موجود ہے اور تعیین شرک مصرح موجود نہیں ہاں لفظ لبس بوسیلہ ان الشرک لظلم عظیم اوسکی جانب مشیر ہے علی ہذا القیاس آیت وضو میں جر ارجل کی قراءت کی صورت میں مسح ارجل تو عطف علی الروس کی صورت میں مصرح ہے اور اوسکے ساتھ غسل قدم کا کچھ ذکر نہیں پر غسل بھی اوسکے ایک افراد میں سے ہے کیونکہ ہاتھ کا پھیر سوکھا موجب مسح ہے اور تر موجب مسح ہے غسل کے ساتھ موجب مسح ہے اور فقط رطوبت قائمہ بالید کے ساتھ موجب مسح ہے۔ غرض ایک مضمون کلی ہے جسکے افراد کثیرہ اور تشخصات متعددہ متصور ہیں جنمیں سے تصریح ایک کی بھی نہیں فقط ہے تو اوس مضمون کلی ہی کی تصریح ہے ہاں قید الی الکعبین کو دیکھیے

موقوف ہونیوالی کہو کہ انبیاء کرام بھی بمثل عوام اٹکل ہی کے تیر مار اکرتے ہیں بالجملہ منافع و مضار دنیوی ہیں انبیاء مشیر ہو سکتے ہیں پر اسکو عرض رائے کہیے امر نہیں کہہ سکتے جو یہ تفریق بجائے خود مستحسن ہو اس صورت میں ماحصل اس تقریر کا یہ ہوگا کہ ایجاد طریق آخرت تو انبیاء کا کام ہے اور ایجاد طرق فلاح دنیا اونکا کام نہیں پر بعض طرق فلاح دنیا معارض طرق فلاح آخرت ہوتی ہیں اور بعض موافق اور بعض ناموافق ہوتی ہیں نہ معارض سو جو طرق معارض ہوں جیسے چوری قزاقی غصب زنا وہ تو بوجہ مخالفت ممنوع ہوتے ہیں اور جو طرق موافق ہوتے ہیں جیسے قرآن خوانی یا وعظ گوئی پر لینا باین وجہ ممنوع ہو جاتے ہیں کہ غلام سرکاری ہو کر کار سرکاری ہی پر اجرت مانگتے ہیں اور جو طرق نہ موافق ہیں نہ معارض اونکو ذریعہ فلاح دنیا اگر قرار دیں تو بجا ہے ان طرق میں ہمیشہ یہ ملحوظ رہیگا کہ طرق فلاح آخرت کی معارض نہو جائیں چنانچہ بیوع و اجارات کا فساد و بطلان سب اسی پر مبنی ہے سو اس قسم کی ایجاد یا اونکی ترقی و تنزل میں انبیا اگر دخل دیتے ہیں تو بطور مشورہ بتقاضاء خیر خواہی دخل دیتے ہیں خدا کیطرف سے اس مشورہ کی تسلیم میں ہرگز کچھ خواستگاری نہیں اور مقدمہ تابیر نخل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصار کو انتم اعلم بامور دنیاکم فرمانا اسیوجہ سے تھا کہ آپ اس فن کے امام نہ تھے خدا کیطرف سے اس مقدمہ میں پیغمبر نہ تھے بہرحال امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس امر میں ہو واجب الاتباع یا مستحب الاتباع ہوگا ہاں مشورہ نہ واجب الاتباع ہے نہ مستحب الاتباع البتہ مقتضاء حسن ادب یہ ہے کہ آپکے مشورہ کو بھی اوروں کے مشورہ پر مقدم جانے کہ اول تو مشورہ میں لحاظ کمال عقل ہی پر ہوتا ہے فقط تجربہ کاری پر نہیں ہوتا سو اس کمال میں ظاہر ہے کہ انبیا کیسے کامل ہوتے ہیں دوسرے اتباع کسی مقدمہ میں کیوں نہو موجب خوشنودی خاطر متبوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ خوشنودی خاطر انبیاء کرام کیا کچھ ثمر برکات ہو سکتی ہے کم سے کم ایک دعا ہی سہی اسوجہ خارجی و عارضی کے باعث ایسے مواقع میں بھی استحباب عرضی آجاتا ہے۔

جواب شبہ ہشتم

ہشتم احکام منصوصہ کے یقینی اور اجتہادی کے ظنی ہونے میں کسے کلام ہو سکتا ہے اگر ہوگا تو اس امر میں ہوگا کہ کونسا منصوص ہے کونسا نہیں اور کونسا اجتہادی ہے کونسا نہیں اور یہ میں اسواسطے عرض کرتا ہوں کہ بسا اوقات اکثر آدمی بوجہ قلت تفکر بعض امور کو منصوص سمجھ جاتے ہیں حالانکہ وہ منصوص نہیں ہوتی اور تو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں سمجھ گئے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے جنکی شان میں خداوند کریم آتیناہ رحمۃ من عندنا

تو باعانت بار استعانت فہم رسا ہو تو غسل ہی لازم آجاتا ہے علی ہذا القیاس باعانت بار استعانت
موضوع لہ راس کو بہ تدبیر لحاظ کیجئے تو تعلق ربع راس نکل آتا ہے ہاں راس کو کرۂ حقیقی اور باقی کو سطح
مستوی یا کرہ حقیقی کہئے تو پھر مسح بال ہی دو بال کا مسح فقط ثابت ہوگا بہرحال لفظ ظلم سے تمام گناہ کو
صحیح سمجھ لینا اور لفظ راس سے تمام راس کو صحیح سمجھ لینا اور منصوص خیال کرنا ایک سینہ زوری ہے
اور کچھ نہیں تیسرا مرتبہ علم میں وہ ہے جو جملہ یعلمہم الکتاب والحکمۃ سے لفظ حکمت کے وسیلہ سے سمجھ میں آتا ہے
تحقیق اس مرتبہ کی یہ ہے کہ ہر حکم کیلئے ایک علت ہے اور ہر وصف کیلئے ایک موصوف حقیقی ہوتا ہے
مثلاً مطاع ہونے کیلئے کمال و جمال و مالکیۃ نفع و ضرر علت حقیقی اور موصوف حقیقی اور محکوم علیہ حقیقی
ہے اور وہ اوسکے معلول حقیقی اور وصف حقیقی اور محکوم بہ حقیقی اور نسبت فیمابین نسبت حقیقی علی ہذا
القیاس ایک موصوف عرضی ہوتا ہے جیسے وصف رسالت یا خلافت اور اولوالامری مطاعیۃ کیلئے
موصوف عرضی اور علت عرضی اور محکوم علیہ عرضی ہے اور نسبت فیمابین نسبت عرضی اور مجازی ہے
یا یوں کہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہونی اور آپ کے ازواج کے
نکاح کی حرمت کی علت اوروں کے ساتھ آپکی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی کے تلے دیگر
افاضہ حس و حرکت سے ایسی طرح معذور ہوگئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہو کر مکان
میں افاضہ نور سے معطل ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح
کا قبض و تصرف تھا موت کے آنے سے ایسی طرح زائل ہو جاتی ہے جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ
آپ کی حیات بھی موت کے آنے سے زائل ہو جاتی ہے باقی یہ جو السلام علیکم یا اہل القبور سے
ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتا لگتا ہے جس سے اشتباہ حیات پیدا ہوتا ہے تو اوسکو اول
تو ایسا سمجھئے جیسا بوسیلہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آجائے ایسے ہی یہاں
بھی سمجھئے دوسرے اگر کچھ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلاوطن کو اپنے وطن اصلی کے ساتھ تو گویا تعلق
موجب اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد ایسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ . بسا اوقات بہ نسبت
اور بلاد کے احوال متعلقہ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہو جایا کرتا ہے پر اتنی بات سے
قبض و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہ حیات ہو علی ہذا القیاس یہ نہیں کہ مثل شہدا ایک بدن سے
تعلق چھوٹ کر دوسرے بدن سے تعلق پیدا ہوگیا ہو جسکے بھروسے یوں کہا جاوے جبکہ بدن اول سے

نہیں جو اوسکی سر و مصلحت سے آگاہ ہونا مانع تکلیف ہو سکے البتہ علم عمل اتنا ضرور ہے کہ کیونکر کیجیے سعہذا خارج از عقل ہونے کے اگر یہ معنی ہیں کہ عامل کی عقل میں اوسکے اسرار اور مصالح اور منافع اور علل نہ آئیں تو یہ تو سراسر غلط ہیں اور اگر یہ معنی ہیں کہ عقل اوسکے مخالف تجویز کرتی ہے تو اگرچہ اسکے امکان میں کلام نہیں ہو سکتا خاصکر اون لوگوں کے مشرب کے موافق جو علت حسن و قبح امر و نہی کے سوا اور کسی صفت ذاتی احکام کو کہتے ہیں لیکن واقع میں خدا کیطرف سے ایسا ہوتا نہیں پڑتا اور ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس امر میں تمہاری ہماری عقلوں کا اعتبار نہیں وہ عقول جو بنجوائے فی قلوبہم مرض امراض روحانی کے باعث ایسی طرح فاسد ہو گئی ہوں جیسے قوت ذائقہ یرقانی ہرگز قابل اعتبار نہیں اسکے ادراک کیلئے اونکی عقل چاہیے جنکے دل بنجوائے الا من اتی اللہ بقلب سلیم امراض روحانی سے ایسی طرح عافیت میں ہیں جیسے مرض جسمانی یرقان وغیرہ سے بحالت صحت ہماری آنکھیں اور زبانیں بچی ہوئی ہوتی ہیں - دہم - افعال مامورہ کے فی نفسہ حسن ہونے کے معنی اور افعال ممنوعہ کے فی نفسہ قبیح ہونے کے معنی موافق معنی متبادر لفظ فی نفسہ اگر یہ ہیں کہ حسن و قبح اونکا ذاتی ہوتا ہے تو یہ تو غلط صلوۃ وقت طلوع و غروب اور صوم عیدین اور صیام ایام تشریق بالیقین فی حد ذاتہ حسن ہے پر بوجہ اقتران وقت معلوم قبح عارض ہو گیا ہے علی ہذا القیاس قتال بنی آدم اور خدعہ فی الحرب جسکی تسلیم سے معتقدان قرآن وحدیث کو چارہ نہیں فی حد ذاتہ قبیح ہے پر بوجہ اقتران وانضمام اعلاء کلمۃ اللہ حسن عارض ہو جاتا ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ افعال مامورہ میں کچھ نہ کچھ حسن اور افعال ممنوعہ میں کچھ نہ کچھ قبح ہو کسی قسم کا سہی تو مسلم مگر اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ہر قسم کے مامورات میں سے ایک چیز حسن لذاتہ ہے جسکے قرب سے اور امور قابل التحسن حسن ہو جاتے ہیں علی ہذا القیاس انواع ممنوعات میں ایک چیز قبیح لذاتہ ہوگی جسکے اقتران سے اور افعال قبیح بالعرض ہو جاتے ہیں پھر اسصورت میں استحبات کی گنجایش نکلیگی کہ بعد زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی چیز میں بوجہ اقتران مذکور حسن یا قبح عارض ہو جائے تو وہ بھی منجملہ مامورات یا منہیات ہو جائیگی یہ جدی بات رہی کہ مامور ہوگی تو کس درجہ کی اور ممنوع ہوگی تو کس درجہ کی مثال کی ضرورت ہے تو جمع قرآن اور تدوین کتب اور تنقیح حال رواۃ و مراتب احادیث تو از قسم مامورات زمانہ آخر ہیں اور منہیات میں عورتوں کا مساجد میں آنا جانا علی ہذا القیاس توپ بندوق کے استعمال اور اشغال صوفیہ کے اشتغال کو سمجھیے

تعلق ہی نہ رہا تو اوسکے متعلقات یعنی ازواج و اموال سے کیا تعلق رہیگا جو مانع میراث اور انقطاع نکاح ہو اسی طرح اور بہت سی نظیریں ہیں جنکو بے کہے اہل دانش سمجھ جائیں گے غرض موصوف حقیقی اور علت حقیقی کو دینیات میں علت مجازی اور موصوف مجازی سے پہچان لینا وہ حکمت ہے جسکی طرف آیت مذکور میں اشارہ ہے اور جسکی تعریف میں یہ ارشاد ہوا ہے ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا اسو مرتبہ حکمت پر اجتہاد کی اجازت ہے بشرطیکہ قرآن و حدیث پر بخوبی نظر ہو اور ناسخ و منسوخ و ضعیف و قوی کو پہچانتا ہو اور مرتبہ علم کتاب میں اگرچہ اجازۃ اجتہاد و استنباط احکام غیر منصوصہ نہیں ہو سکتے پر فقط احکام منصوصہ اور مضامین مندرجہ قرآنی میں خود رائی اور خود بینی کی اجازت ہے چنانچہ بدیہی ہے بعد اسکے اگر حکیم امت یا عالم کتاب سے کوئی خطا ہو جائے تو وہ ایسی سمجھنی چاہئے جیسے اسپ تیز گام باوجود سلامت اعضا و قوت رفتار ذرا سی غفلت میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اس ٹھوکر کھا کر گر پڑنیکو اسپ لاغر و لنگ کے گرنے پر قیاس کر کے جیسے سواری موقوف نہیں کر دیتے ایسے ہی حکیم امت و عالم کتاب کو بوجہ غلطی جو بمقتضاے بشری بوجہ غفلت ہو جاتی ہے خود رائی اور اجتہاد سے روکدینا نا سزا ہے یہ اونکی غلطی اس بڑے مسائل غلطی عوام نہ سمجھی جائیگی باقی رہا وہ مرتبہ جو یتلو علیہم آیاتہ سے مستفاد ہے بادی النظر میں اگرچہ از قسم علوم ہے پر حقیقت میں یہ مرتبہ اون علماء ربانی کا مرتبہ نہیں جو کسیکے پیرو نہوں گر ورنہ جملہ یعلمہم الکتاب بیکار تھا ہاں حافظ علوم کہئے تو بجا ہے بہرحال ایسے لوگونکو اوروں کا اتباع ضرور ہے عالم بن بیٹھنا اور لوگونکی پیشوائی جائز نہیں آپ بھی گمراہ ہونگے اور ونکو بھی گمراہ کرینگے۔ پیشوایان فرق باطلہ سب اسی مرتبہ کے لوگ تھے جنہوں نے بوجہ اولوالعزمی اپنی فہم کے موافق اوروں سے اپنا کام لیا۔ ہم انسانکا خارج از طاقت انسانی مکلف نہو سکنا اور ہے اور نہونا اور سو اسمیں کچھ کلام نہیں کہ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں مگر اسکے ساتھ یہ پچر غضب ہے کہ ایمان اور احکام موجب نجات عقل انسانی سے خارج نہوں پر جی صاحب غور کا مقام ہے تکلیف مالا یطاق کے نہونے کی علت فقط یہ ہے کہ تکلیف سے غرض اعمال مکلف بہا ہوتے ہیں تکلیف خود مقصود بالذات نہیں ہوتی جو یوں کہا جائے کہ خدا اپنی بات اور اپنے کام کر چکے بلا سے بندوں سے اوسکی تعمیل ہو کہ نہو سو اتنی بات اگر ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ قطع نظر عمل سے ایسی تکلیف ممکن تو تھی ہی اگر خدا نے ایسا حکم بھیجدیا تو کیا برا ہوا بلکہ مقصود بالذات عمل ہوتا ہے مگر ظاہر ہے کہ عمل اگر محتاج ہے تو قوت عاملہ کا محتاج ہے قوت عاقلہ کا محتاج

اور معیار میں اگر وجدان اہل وجدان اوسپر مطابق آجائیں تو ایسے لوگ صحیح الوجدان ہیں ورنہ بوجہ عدم تطابق دلیل فساد فطرت وو جدان سمجھا جائیگا قرآن و حدیث اوس عدم تطابق کے باعث غلط نہ سمجھا جائیگا کیونکہ قلوب سلیم کو مثل اجسام صحیحہ ہر دم مرض کا اندیشہ لگا ہوا ہے پر قرآن و حدیث صحیح کو سور و حجتہ و سقم بایں طور نہیں کہہ سکتے کہ کبھی یہ صحیح ہو جاتے ہیں کبھی غلط جو روایت صحیح ہے وہ ہمیشہ صحیح رہتی ہے جو غلط ہے ہمیشہ غلط سو ظاہر ہے کہ قرآن شریف و حدیث متواترہ میں تو یہ احتمال غلط ممکن ہی نہیں رہی احادیث صحیحہ غیر متواترہ ہر چند احتمال غلطی اور مخالفت واقع اونمیں ممکن ہے کیونکہ اونکی صحت حسب اصطلاح محدثین بمعنی مطابقتہ واقع نہیں لیکن یہ ایسا ہی سمجھنا چاہئے جیسا مرد صادق القول سے بوجہ غلط فہمی کسی بات میں غلط کہدینا سو جیسا یہ شاذ و نادر ہے مثل عروض امراض خصوصاً امراض روحانی کثیر الوقوع اور غیر الزوال نہیں جو در بارہ اعتبار معاملہ برعکس ہو جائیگا احتمال مساوات ہو بہر حال یہہ قول کہ اگر یہ نہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور شوجھا کے حقمیں دیکھنا گناہ ٹھہر سکے گا اگر چہ اس جگہ بموقع ہے کیونکہ استطاعتہ بصارۃ اور عدم استطاعتہ بصارۃ میں نظرۃ ہے نہ مطابق فطرۃ علی العموم ہرگز صحیح نہیں ہاں تاویل مذکور کے ساتھ کچھ توجیہ ہے۔ دوازدہم انسان کو ایک اختیار ادہر سے مستعار عطا ہوا ہے پر وہ اختیار انسانی اختیار خداوندی کے ساتھ وہ رابطہ رکھتا ہے جو قلم ہمارے تمہارے ہاتھ کے ساتھ یا پچھلی کل کسی اگلی کل کے ساتھ اگر یہ نہو تو اختیار انسانی کو عطاء خداوندی کہنا غلط ہو جائیگا اور ارادہ انسانی مخلوق خدا نہ رہیگا کیونکہ ہر بالعرض کے لیئے ایک موصوف بالذات چاہئے ورنہ پانی کی گرمی اور زمین کی دھوپ کو آگ اور آفتاب کی حاجت نہوتی مگر جیسا ہر بالعرض کیلئے بالذات کی ضرورت ہے ایسے ہی اون دونوں میں تجانس بھی ضرور ہے جس نوع و جنس کا وصف عرضی ہوگا اوسی نوع و جنس کا وصف ذاتی ہونا چاہئے زمین کا نور آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے آفتاب کی حرارت یا پانی کی رطوبت سے پیدا نہیں ہوتا اسصورت میں ضرور ہے کہ ارادہ انسانی ارادہ خداوندی کا پرتو ہو مگر جیسی حرکت نور زمین یعنی دھوپ حرکت آفتاب و حرکت شعاع نور آفتاب پر موقوف ہے بالاستقلال نہیں ایسی ہی حرکت ارادہ انسانی حرکۃ ارادہ خداوندی پر موقوف ہوگی چنانچہ خداند کریم خود ہی فرماتے ہیں وماتشاؤن الاان یشاء اللہ سو اگر مجبور ہونے سے مراد یہ توقف ہے اور بایں معنی انکار جبر ہے تب تو بلاشبہہ یہ انکار غلط اور لغزش عظیم ہے جسکا تدارک بجز توبہ

جواب شبہ دوازدہم

اسیطرح ہوسکتا ہے کہ ایک فعل بوجہ اقتران مذکور کسی ملک یا ولایت میں مامور بہ یا منہی عنہ ہوجائے
اور دوسرے میں نہو یا ہو تو بدرجۂ کمتر ہو بعد ازیں یہ جو ارشاد ہے کہ انبیائے علیہم السلام حسن و قبح
کے بتلانے والے ہیں اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بمنزلۂ اطبار مبین ہیں آمر و جابر و حاکم
نہیں تب تو غلط ورنہ جزا و سزاء دنیوی کے پھر کیا معنی ہیں یعنی افعال حسنہ یا قبیحہ کو اگر جزاء و سزاء
دنیوی ایسی لازم ہوتی جیسے لوازم ذات اپنے ملزومات کو تو یوں بھی کہہ سکتے تھے کہ خود بخود یہ قصہ
ہو رہا ہے اور اگر یہ معنی ہیں کہ مبین بھی ہیں اور آمر و جابر بھی ہیں تو مسلم پر اسصورت میں امور منصوصہ
کا حسن و قبح سمجھنا تو سب کو لازم ہوگا پر غیر منصوصہ کو بوجہ اقتران مذکور ہر کس و ناکس حسن و قبیح کہنے
کا یا سمجھنے کا مجاز نہو گا اسکے لئے اتنی عقل و فہم کی ضرورت ہوگی جتنے مرتبہ حکمت کیلئے ضرورت
ہے کیونکہ عروض و اقتران اور کیفیت و کمیت امور مقترنہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جو نسبۂ حکمیہ
حقیقیہ کو نسبت حکمیہ غیر حقیقیہ سے تمیز کر سکے۔ یازدہم۔ یوں نہ کہیئے کہ تمام احکام اسلام فطرۃ کے موافق
ہیں البتہ وہ احکام جو حسن لذاتہ یا قبیح لذاتہ ہیں انکی خوبی اور برائی طبعی ہے پر وہ احکام جنہیں حسن
و قبح عرضی ہوتا ہے بذات خود ہر وقت مرغوب و غیر مرغوب نہیں ہوتے تا وقت عروض بالطبع یعنی بالنظر
تو نہیں البتہ بالعرض مرغوب و غیر مرغوب ہو جاتے ہیں بعد زوال عروض وہ رغبت بالضرورت بدلجاتی ہے
اگر بوجہ شدت گرسنگی یا تشنگی جسمیں ہلاکت کا اندیشہ ہو اغذیہ یا اشربۂ محرمہ کا کھا لینا پی لینا حسن یا مباح ہو جاتا ہے تو مادام
مخمصہ ہی یہ بات رہتی ہے اسکو اقتضائے طبعی اور فطری نہیں کہہ سکتے مگر ہاں یوں کہئے کہ تا دم عروض ہی فطری
کہنا مراد ہے پھر با اینہمہ میری اور تمہاری فطرۃ کا ذکر نہیں کیونکہ اول تو یہاں فطرۃ ہی مفقود فطرۃ اس حالت کو کہنا
چاہئے جو روح کیلئے بمنزلہ صحت جسمانی ہو جو جسم کیلئے قبل عروض مرض ہوتی ہے اور بعد عروض مرض مفقود ہو جاتی ہے اور اگر
صحت جسمانی امراض جسمانی کی اوٹ میں آجاتی ہے مستور ہو جاتی ہے مفقود نہیں ہوتی تب کیا ہوا
اس صورت میں اگر فطرۃ بھی اسیطرح مستور ہوئی تو کیا ہوگا ہوا نہ ہوا جب برابر ہے تو اسکو لیکر کیا
چاٹئے یہی وجہ ہے کہ کفار و فجار کو ایمان و تقوی ہمیشہ برا ہی معلوم ہوتا ہے بہر حال ہوا فق اذا سرتک
حسنتک وساءتک سیئتک طاعت میں لذت اور معصیت میں تکلف ہونے لگے تو البتہ ایسے اہل
قلوب کو ارباب فطرۃ کہہ سکتے ہیں تسپر بھی سوائے نبی کسی کا قلب دربارہ صحت و سقم قرآن و احادیث
کسوٹی نہیں ہو سکتا ہاں قرآن و احادیث صحیحہ البتہ کسیکی وجدان کے کھرے کھوٹے بتانے کیلئے کسوٹی

جواب یازدہم

چہاردہم - اس اصل کے موافق احکام کی دو قسم کرکے قسم اول کی پھر دو قسمیں کرنی چاہئیں ایک
امر و نہی حسن یا قبیح لذاتہ دوسرے امر و نہی حسن و قبیح لغیرہ سو جو امر و نہی متعلق بحسن و قبیح لذاتہ ہیں
وہ تو بیشک موافق فطرۃ ہیں نہیں تو نہیں مگر ہاں یہ تاویل کیجئے کہ قسم ثانی بھی فطرت کے مطابق ہے
بالذات نہیں بالعرض ہی سہی لیکن اس صورت میں جیسے قسم اول کی تقسیم بیکار ہے خود تقسیم اول
اوس سے زیادہ بیکار ہے اور اوس سے زیادہ بیہودہ اور لغو کیونکہ وہاں فرق بالذات و بالعرض
کے دریافت کرنے کے لئے کچھ ضرورت تقسیم بھی تھی اور یہاں تقسیم اول کی اس صورت میں کچھ ضرورت
ہی نہیں خیر ہر چہ بادا باد اب آگے دیکھنا چاہئے یہ جو ارشاد ہے کہ اطاعت و عمل میں دونوں برابر
ہیں اگر اسکے یہ معنی ہیں کہ مراتب حسن و قبول میں سب برابر ہیں تو یہ تو غلط ہے ابھی معلوم ہو چکا کہ
خود حسن و قبح میں کمی بیشی ہے ظاہر ہے کہ موصوف بالذات ہمیشہ موصوف بالعرض سے اکمل ہوا کرتا ہے
آفتاب نورانیت میں آئینہ اور در و دیوار سے زیادہ ہے اور یہ بھی ہے کہ بقدر مراتب حسن و قبح ہی
مراتب امر و نہی متفاوت ہونے چاہئیں یعنی یہ فرق فرضیت و وجوب و سنیت و استحباب و حرمت
و کراہت تحریمی و اباحت اوس فرق مراتب حسن و قبح ہی پر متفرع ہونی چاہئیں اس لئے کہ حاکم
وہ ایک اللہ تعالیٰ محکوم یہ ایک بندہ عبارت حکم وہ ایک صیغہ امر و نہی پھر اگر فرق مذکور بھی نہو تو
یہ فرق مراتب کہاں سے آئے اور یوں کہیں ایک آدھ جگہ اگر فرق عبارت سے اس فرق کو ثابت
بھی کیجئے تو اور باقی فرقہائے معلومہ کی کیا سبیل ہوگی باایں ہمہ عبارت دربارہ مطلب مفہوم مخبر اور
مظہر ہوتی ہے علت نہیں ہوتی اور علت کی ضرورت ہر حادثہ کے لئے ضرور ہے اور اگر یہ
مطلب ہے کہ اطاعت سبکی چاہئے کہ خدا کے یہاں کسی مرتبہ میں واقع ہوں تو البتہ ایک ماننے
کی بات ہے مگر اس کے یہ معنی ہونگے کہ مراتب وجوب و استحباب وغیرہ میں اگرچہ دونوں
قسموں میں فرق ہو پر صورت ادا دونوں جا ایک ہی ہے جس طرح سے مثلاً چار فرض ادا
کئے جاتے ہیں اوسی طرح سے چار سنت جسطرح تین فرض ادا کئے جاتے ہیں اوسیطرح تین وتر جتنی دیر اسمیں لگتی ہے اتنی ہی
اوسمیں لیکن اس صورت میں اسباب کی تحقیق ضرور ہے کہ احکام اصلی کی کیا نشانی ہے اور احکام حفاظت کا
کیا پتہ ہے سو سنئے اگر پوچھئے تو اسکی تحقیق بقدر مناسب مقام یہ ہے کہ طاعات مطلوبہ میں انواع متعددہ ہیں پھر ہر نوع
میں ایک امر مقصود بالذات ہے باقی مقصود بالعرض طاعات میں مثلاً ابواب صلوٰۃ کے اوامر ایک

منصور نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ بندہ صاحب اختیار ہے یہ نہیں کہ اختیار ہی نہیں دیا بلکہ مثل چوب و سنگ
جو بظاہر ذوی العقول میں سے نہیں اور ارادہ سے بے بہرہ نظر آتی ہیں یہ بھی بے بہرہ ہے تو یہ بات
بدیہی ہے مگر بدلالت سیاق اور شہادت عبارت سابقہ اس استثناء سے جو یہاں سے (مگر اس سے
انسان اون قوتوں کے استعمال الخ) شروع ہوا ہے یہ معنی نکالنے بظاہر دشوار ہیں اور اگر یہ غرض ہے
کہ انسان کو ارادہ بھی ملا اور پھر وہ ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ وہی ارتباط بھی رکھتا ہے
جو ہمنے عرض کیا مگر با ایں ہمہ مثل احجار و اشجار مجبور نہیں جو اوسکے طرف بجز انفعال عمل کوئی انتساب ہی
نہ ہو سکے تو یہ مسلم مگر اس صورت میں انکار جواز تکالیف یا خیال عدم جواز ثواب و عقاب جیسا
بظاہر متوہم ہو سکتا ہے بالکل خیال خام ہو گا کیونکہ اس صورت میں تکلیف تو مثل صیقل آئینہ وغیرہ
آئینہ سمجھی جائیگی جو بعد دعوی قابل العکس ہوئے آئینہ اور غیر قابل العکس ہونے سنگ و چوب کے مخالفان
دعوے کے لئے مسکت ہو سکتا ہے سو جیسے سنار یا صراف کامل کا کھوٹے کھرے کو کسوٹی پر لگا کر
بتلا دینا گاہک یا صاحب متاع کے دکھلانے اور ساکت کرنے کے لئے ہوتا ہے اپنے اطمینان
کے لئے نہیں ہوتا ایسے ہی خدا کیطرف سے تکلیف کو بیان فرق مراتب انفعال کیلئے سمجھئے اور
امتحانات لیبلوکم ایکم احسن عملا وغیرہ از قسم اتمام حجت سمجھئے نہ از قسم استخبار و استفسار اور ثواب
و عقاب کو ایسا سمجھئے جیسا آئینہ کو نظارہ کیلئے پیش نظر رکھیں اور پتھر یا چوب کو سامنے سے ہٹا دیویں
سو جیسے اس رکھنے اور ہٹانے میں ایک کا اعزاز اور دوسرے کی تحقیر نکلتی ہے ایسے ہی اس ثواب
و عقاب کو خدا کیطرف سے بیان فرق مراتب ظہور فعل کے لئے سمجھئے یعنی جیسے آئینہ سے بوجہ انعکاس
نور آفتاب جو بعد قبول ظہور میں آتا ہے اور بعد انفعال رنگ دکھلاتا ہے ایک صدور نور مذکور ادہر
سے ادہر کو ہوتا ہے جس سے انتساب فاعلیۃ درست سمجھا جاتا ہے ایسے ہی یہاں بھی قبول ارادہ کے
بعد ایک انعکاس ارادہ بھی ہوتا ہے اور وہ ارادہ منعکس مرادات بشری پر اسطرح واقع ہوتا ہے جیسے
نور منعکس از آئینہ در و دیوار پر واقع ہوتا ہے سو یہ اعزاز مذکور اسی فاعلیت کا نتیجہ ہے۔ سیزدہم یوں
کہنا چاہیئے کہ دین اون احکام کا نام تو یقینی ہے جو یقینی ہیں اور اون احکام کا نام ظنی ہے جو ظنی ہیں
یعنی احکام یقینیہ کو یقیناً دین سمجھنا چاہیئے اور احکام ظنی کو ظناً کہنا چاہیئے بہر حال اطلاق دین
دونوں پر چاہیئے پر فرق مراتب علم کے لئے یقین و ظن کی قید کا اضافہ ضرور ہے۔

جواب سوال سیزدہم

نہ آجائے جیسے بسرچاولوں میں اونکے اندازہ سے زیادہ گھی مٹھائی ڈالدینے سے خرابی آجاتی ہے یا
فرض کیجیے کسیکے وجود میں آنکھ یا ناک وغیرہ اعضاء میں سے کوئی عضو اوسکے وجود کے اندازہ سے
زیادہ یا کسی انگرکھہ کرتہ وغیرہ میں آستین وغیرہ اجزاء معلومہ سے کوئی ٹکڑا اپنے اور اوس کپڑے
کے اندازہ سے بڑھکر مجموعہ کی خوبی میں رخنہ انداز ہوجاتا ہے گو قطع نظر اوس سے کوئی مقدار اون
اشیاء کے لیے معین نہو مگر اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اسباب میں اوسکی رائے معتبر ہے
جو اوس حسن خوبی کے ادراک کا حاسّہ بھی رکھتا ہو اندھا حسن صورت بنی آدم میں اس قسم کی
رائے نہیں دیسکتا جبتکی زبان نعم اطعمہ کی خوبی یا خرابی میں لب کشا نہیں ہوسکتا سو ظاہر ہے
کہ سوا انبیاء اس قسم کی بصیرۃ جس سے صورت مثالی مجموعہ احکام کی اسطرح معلوم ہوجائے
جسطرح آنکھ سے ہمیں تمہیں صورت اجماعیہ چشم وگوش وبینی ورخسارہ وغیرہ معلوم ہوجائے عطا نہیں
ہوئی ہم لوگ اسباب میں اندھے ہیں اور نیز اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان احکام کے
محل وہی احکام ہیں جنمیں مراعات صورت حاصلہ ہے اور جس جگہہ صورت پر نظر بھی نہیں فقط
معنی ہی مقصود ہے جیسے جہاد میں غرض اصلی اعلاء کلمۃ اللہ ہے دن کو ہو یا رات کو مشرق کیطرف
مونہہ ہو یا غرب کیطرف تیر سے ہو یا بندوق سے سوار ہوکر کیجیے یا پیادہ تو ایسے احکام میں جو
نسبت احکام سابقہ احکام مطلقہ ہیں اور وہ ان کی نسبت احکام مقیدہ اس نام کے سزاوار
ہیں وہ اس نام کے احکام محافظت کی مداخلت نہیں ہوتی جب یہ بات مقرر ہوچکی تو ہم احکام
محافظت کو احکام انتظامی اور احکام محافظت نام رکھکر عرض پرداز ہیں کہ ان احکام کو نسبت
مقاصد اور وسائل کے ایسی نسبت ہے جیسے چراغ کے لئے فانوس ہنڈیا وغیرہ اور آئینہ کے لئے
چوکھٹا وغیرہ کو غرض یہ نہیں کہ احکام انتظامی کے سوا تمام احکام فطری ہیں بلکہ بعض ذرائع مقاصد سے
بعد مرتبہ کے باعث یا بوجہ خفاء عروض بالعرض بھی مرغوب غیر مرغوب نہیں ہوتی ہاں اگر وسائل کو بھی
منجملہ احکام محافظت کہیئے اور وجہ تسمیہ میں تاویلیں کرلیجیے تو البتہ یہ فرق صحیح رہیگا مگر اسصورت میں
تفریعات میں اون باتوں کی مراعات ضرور ہوگی جو متفرع علیہ میں ہوں۔ پانزدہم[۱۵] عوام تو مصلحت
وغیر مصلحت کو جانتے ہی نہیں اسبات میں اگر لب کشا ہوتے ہیں تو علماء ہی ہوتے ہیں ہاں ہر فرقہ میں باہم فرق
عموم وخصوص ہوتا ہے مگر سید صاحب نے یہ نہ لکھا کہ مصلحت مصطلح عوام کیا ہے اور مصلحت مراد خواص کیا

جواب [illegible]

جدی نوع اور ابواب زکوۃ کے ادا امر ایک جدی نوع ابواب صوم کی جدی ابواب حج کی جدی پھر نوع اوامر
متعلقہ صلوۃ میں صلوۃ مامور بہ بالذات ہے اور طہارت اور جماعت اور مراعات صف اول
و تکبیر اولی و قرب امام و انتظار جماعت و رباط مسجد و وضو قبل از وقت وغیرہ مامور بہ بالعرض
جنمیں سے مراعات صف اول وغیرہ تو بالعرض کے بھی بالعرض ہیں اسلئے کہ مقصود اعظم ان
امور سے نگاہداشت جماعت مسجد ہے اور وجہ اس تفریق کی ظاہر ہے کون نہیں جانتا کہ جماعت
میں قطع نظر نماز سے کچھ ثواب نہیں ورنہ پریٹ و قواعد کے وقت ایک صف باندھ کر کھڑا ہونا بھی
منجملہ طاعات سمجھا جاتا علی ہذا القیاس اور امور کو سمجھ لیجئے اور طہارت اگر بذات خود بھی مطلوب
ہو تو یطلب جو اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم و ایدیکم الخ سے ثابت ہے لاجرم بوجہ صلوۃ
ہے بذات خود طہارت یہاں مطلوب نہیں ادہر ذنوب میں دیکھئے نہی ابواب زنا جدی نوع
ہے اور نہی شراب خواری جدی نوع اور نہی سود خواری جدی نوع علی ہذا القیاس پھر ہر نوع
زنا میں خود زنا بالذات منہی عنہ ہے اسلئے اپنے بیگانے سب سے زنا ممنوع ہے اور بوس و کنار و خلوت
وغیرہ منہی عنہ بالعرض یعنی بوجہ شہوت و اندیشہ زنا ممنوع ہیں بذات خود ممنوع نہیں ورنہ یہ معاملات
مثل زنا اپنی ماں بہن بیٹی وغیرہ سے ہرگز جائز نہوتے بلکہ اوسکے یہاں اور جا کی نسبت زیادہ ممانعت
ہوتی سو مامور بہ اور منہی عنہ بالذات کا نام تو ہم مقاصد رکھتے ہیں اور مامور بہ بالعرض کا نام
ہم وسائل و ذرائع اور دواعی رکھکر یہ گذارش کرتے ہیں ان دونوں قسموں میں تو باہم ایسا ارتباط
ہے جیسا چراغ اور آئینہ میں بوقت انعکاس نور ہوتا ہے علاوہ بریں ایک اور قسم کے احکام
ہیں جنسے مقصود مضمون تذلل و تعبد نہیں اگرچہ یہاں بھی بوجہ اطاعت تعبد لازم آجائے بلکہ
مقصود یہ ہے کہ مرور دہور کے بعد حدود و احکام متغیر نہو جائیں مثلاً اون نمازوں میں جنکے بعد
سنتیں پڑھی جاتی ہیں یہ حکم ہوا کہ فرض و سنت کے بیچ میں فصل زمان و مکان کر دینا چاہیے
یعنی کچھ دعا مانگ لی یا ایک آدھ وظیفہ مسنونہ بعد الصلوۃ مثل آیۃ الکرسی و تسبیح و تحمید و تکبیر پڑھکر
دائیں بائیں یا آگے پیچھے ہٹ کر سنت مابعد کو پڑھے علی ہذا القیاس قبل رمضان اور بعد رمضان
متصل روزہ رکھنے سے ممانعت فرمائی ادہر تاخیر سحور اور تعجیل افطار کی قید لگائی مقصود ان سب سے
یہی ہے کہ رفتہ رفتہ حدود خداوندی میں افزائش ہو کر ایسی خرابی حسن صورت مجموعہ احکام اسلام میں

جو اسباب میں نظر کیجاتی کہ اس انتساب میں بے ادبی لازم آتی ہے یا نہیں ہاں سچائی کے لفظ
سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت مصطلح عوام کچھ ایسا امر ہوتا ہے جسمیں دروغ یا دروغ گوئی کا انتساب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف ہو جاتا ہے لیکن باین نظر کہ انتساب مذکور کی بھی کئی صورتیں
ہیں اور ہر صورت کا یکساں حکم نہیں منجملہ انکے تعریضات بھی ہیں جنکے معنی مطابقی تو مخالف
واقع نہیں ہوتے مگر اور موہمات مخالف واقع کیطرف کھینچ لیجاتی ہیں پھر دروغ صریح بھی کئی طرح پر
ہوتا ہے جنمیں سے ہر ایک کا حکم یکساں نہیں اور ہر قسم سے نبی کو معصوم ہونا ضرور نہیں اگرچہ ہمارے
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سبھی سے محفوظ رہے ہوں ہم کو لازم پڑا کہ اسباب میں ایک تحقیق مختصر
بقدر ضرورت لکھیے سو سنئے کہ بعض بعض افعال تو خیر باین معنی ہوتے ہیں کہ اونکی وضع کسی امر خیر
کے لئے ہوتی ہے سو جیسے آگ احراق و حرارت کیلئے اور پانی رطوبت اور تربیت کے لئے موضوع
اور مخلوق ہوئی ہیں ایسی ہی نماز مثلاً تعظیم باری کیلئے موضوع ہوئی ہے جنکی خیریۃ میں پھر کچھ
تامل نہیں اور جسمیں اصلا شائبہ شر نہیں اور بعض افعال شر محض باین معنی ہوتے ہیں کہ اونکی
وضع کسی امر شر کے لئے ہوتی ہے سو جیسے قطع اعضاء تخریب بدن اور فساد جسم کے لئے موضوع
ہے ایسے ہی ظلم و ستم آزار مردم اور زنا حد سے بیحیائی کے لئے موضوع ہوا ہے علی ہذا القیاس اور
افعال کو سوچ دیکھئے مگر بعض افعال ایسے ہیں جنکی حد ذات اور مرتبہ حقیقت میں نہ کوئی خوبی ہوتی ہے
نہ کوئی برائی تو یہ اگر نتیجہ حسن کے وسیلہ اور امر خیر کی ذریعہ ہو جاتے ہیں تو منجملہ محاسن سمجھی جاتے ہیں اور
اگر کسی نتیجہ قبیح کے وسیلہ اور امر شر کے ذریعہ ہو جاتے ہیں تو منجملہ مساوی و مذایم شمار کیئے جاتے
ہیں مثلاً رفتار ابصار استماع وغیرہ کہ فی حد ذاتہ یہ امور نہ حسن ہیں نہ قبیح البتہ اگر رفتار مسجد کیطرف ہے
تو منجملہ طاعات سمجھی جاویگی اور اگر شراب خانہ یا بتکدہ یا چکلہ کیطرف ہے تو سئیات میں داخل
ہو جاویگی اور اگر کہیں دونوں مجتمع ہو جائیں تو پھر غلبہ کا لحاظ کیا جائیگا مثلاً اجتماع رجال و نساء
مساجد میں اگر موجب حصول برکات جماعت و مزید ثواب ہے تو اندیشہ فتنہ اور خوف تعلق خاطر کو
باو دیگرے بھی ساتھ ہی لگا ہوا ہے اسمیں اگر مکان یا زمان میں جہت اولی غالب ہوگی جیسے
زمان برکت توامان حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ کمال زہد صحابہ و صحابیات
غلبہ ایمان ابناء روزگار اندیشہ فساد اگر تھا تو موہوم تھا تو ایسے اوقات اور امکنہ میں اجازت

علوم دین پر راحت دینی تو اول حسنات واحسانات دنیوی دوم حسنات واحسانات اخروی ہے اور تزکیہ وتہذیب قلب بغرض انبعاث محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راحت آخروی کی میں سے ہونگے اور اس تفاوت کی وجہ سے اول کو ثانی سے کچہ نسبت نہوگی مشروعیت قتال کفار اور اوسکا حسنات میں داخل ہوجانا اسی قسم میں سے ہے کیونکہ قتال مذکور قطع عضو فاسد جسمیں خیر خواہی بدن باقی ظاہر ہے بمنزلہ باقی مخلوقات سمجہا گیا جب اسقدر آزار مقتولین دفع فساد کیلئے ثواب مستحسن ٹہیرا تو کذب صریح جسمیں کفار کو دہوکا دینا مدنظر ہو بغرض دفع فساد واعلاء کلمۃ اللہ کیونکر مستحسن نہوگا اسکا آزار اوس آزار سے جس سے بڑہکر کوئی آزار دنیوی نہیں یعنی قتل کچہ نسبت نہیں رکہتا جب مرض مذکورہ جائز ہوا تو یہ کیونکر نہوگا اور وہ حسنات میں سے ہوا تو یہ کیونکر نہوگا یہ مسلم کہ دفع فساد قتال مذکور سے حاصل ہوتا ہے اور کذب فی الحرب جو بطور خدیعہ کام آتا ہے چنانچہ ارشاد ہے الحرب خدعۃ بغرض سہولت دفع فساد مطلوب ہے اسلئے تامقدور کذب صریح جائز نہوگا تعریضات سے کام لیا جاویگا بلکہ انبیاء کرام اگر تعریضات کو بہی مکروہ سمجہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے مترشح ہے تو کچہ عجب نہیں ہاں جسجگہ دفع فساد خود کذب پر ہی ہو تو جیسا کبہی اصلاح بین الناس میں ہوتا ہے تو پہر یہ تامل بیجا ہے بالجملہ علی العموم کذب کو منافی شان نبوت باین معنی سمجہنا کہ یہ معصیت ہے اور انبیا علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں خالی غلطی سے نہیں پہر تسپر تعریضات جو واقع میں اقسام کذب میں سے نہیں ہوتی بلکہ مشابہ کذب ہوتی ہیں ہرگز مخالف شان نبوت نہیں ہوسکتے علی ہذا القیاس کسی امر مستحب کا اس لحاظ سے ترک کردینا کہ اوسمیں کوئی فساد عظیم جسکا وزن منفعت استحباب سے بڑہ جائیگا پیدا ہوگا اگرچہ بظاہر مستلزم ایہام مخالفت واقع ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا کسی بات کو ترک کرکے ایک انداز کو اختیار کرلینا استحباب مشیر ہے کہ یہی انداز مستحسن ہے اور امر متروک غیر مستحسن اور یہ امر بوجہ ایہام مخالف منجملہ دروغ سمجہا جاتا ہے ہرگز مخالف شان نبوت نہیں بلکہ موافق شان نبوت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خانہ کعبہ کو بطور سابق رہنے دینا اور منہدم کرکے بنائے ابراہیمی پر نہ بنانا اور دہلیز کا زمین سے نہ لگا دینا اور دو دروازے ایک شرقی ایک غربی نہ بنانا حالانکہ آپ ہی کے کلام سے اوسی جانب رغبت ٹپکتی تہی اور آپ کی رغبت خود ایک دلیل استحباب ہے۔

ہوگی بلکہ داخل سلسلۂ محاسن ہوجائیگا اور اگر کسی زمان ومکان مین جہت ثانیہ قوی نظر آئیگی
تو حکم اول منعکس ہو ممانعت ہوجائیگا اور یہ فعل از قسم سیئات سمجھا جاویگا اب اسبات کا دیکھنا
رہا کہ کذب و تعریض میں اگر قبح ہے تو کس قسم کا ہے ہم دعوی کرتے ہیں اور سب اہل عقل انشاء
اللہ تعالی تسلیم ہی کرینگے کہ کذب بمعنی گفتار مخالف واقع بذات خود قبیح نہیں البتہ بلحاظ فریب
یا بد اعتقادی مردم جس سے اونکا ضرر متصور ہے یا متیقن قبیح ہوجاتا ہے ہاں کذب بمعنی فہم مخالف
واقع قبیح ذاتی ہے جسکو جہل مرکب کہتے ہیں اسصورت میں اگر گفتار مخالف واقع کسی موقع
میں خالی از مضرت ہوجائے یا اوسکے ساتھ بعد خلو از مضرت کوئی منفعت بھی لگ جائے یا دونوں
مجتمع ہوجائیں تو پھر یہ ممانعت جو کذب مضر کے لئے ہے بحال خود نرہیگی پہلی صورت میں تو بذات
خود ایک لغو ہوجائیگا گو ہاں بلحاظ کہ کذب کی عادت رہیگی تو عجب نہیں کہ کذب مضر بھی صادر ہو
اور اسوجہ سے یہ عادت کذب مضر کے وسائل میں سے ہوجاویگی اور بالعرض قبح کذب مضر اسپر
عارض ہوجاویگا منجملہ قبائح شمار کیا جاسکتا ہے بہرحال قبح آثار و اضرار مردم سے بالفعل یہ کذب
خالی ہوگا اسکی مثال تو اون جھوٹے قصے کہانیوں کا مشغلہ سمجھئے اور دوسری صورت یعنی جسمیں
بعد خلو از مضرت کوئی نفع بھی لاحق ہوجاوے یہ کذب داخل حسنات ہوگا اسمیں اگرچہ عاقل کو
کچھ شبہ نہیں ہوسکتا لیکن بغرض تسکین مثال بھی معروض ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور
ترغیب یہ ارشاد لیس الکذاب الذی یصلح بین الناس او کما قال خود اسبات پر شاہد ہے کہ کذب
محمود ہے ہاں اگر قرینہ مقام سے قطع نظر کیجئے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسمیں اگر نفی ہے تو کذب یعنی
اوسکی قبح کی نفی ہے جس سے اوسکا سیئہ اور معصیت ہونا ثابت ہوتا ہے طاعت ہونا ثابت
نہیں ہوتا لیکن اسبات کا اگر لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشاد اوس تردد اور توہم کی مدافعہ کے لئے ہے
جو بوجہ ذہن نشین ہوجانے خرابی کذب کے ایسی اصلاحوں سے مانع ہوتا ہے جو بیان خلاف واقع پر
موقوف ہو تو پھر یہ ارشاد مسوق لاجل المدح ہی ہوگا اور تیسری صورت میں غلبہ و قوت جہات
متعارضہ پر نظر رکھنی چاہیئے اگر جہت منفعت غالب ہے تو منجملہ نافعات اور جہت مضرت غالب ہے
تو منجملہ مضرات سمجھا جائیگا پھر اگر منفعت دینی ہے تو حسنات دینی میں شمار کیا جائیگا اور اگر منفعت دنیوی ہے تو حسنات دنیوی میں
شمار کیا جائیگا مثلاً اطعام طعام و تعلیم علوم دنیوی پر منفعت دنیوی اور رحمت دنیوی متفرع ہوتی ہے اور تعلیم و تلقین

اپنا شیوہ نہیں خواہ مخواہ کسی کی بات میں دخل دینے کی عادت نہیں اور ہوتی بھی تو کیا ہوتا حسب
ارشاد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اذا رایت ہویً متبعًا وشحًا مطاعًا ودنیا موثرۃ واعجاب کل ذی راءی
برایہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع امر العوام اوکما قال اس زمانہ میں مستحسن بھی ہے کہ کتنی ہی بڑی
زبان کیوں نہو پر اپنے موہنہ میں لئے بیٹھے رہنا چاہئے کیونکہ جو سامان خیر خواہی کے موثر ہونے کے
ہیں وہ یک لخت مفقود ہوجاتے ہیں اور جو سامان اوسکے تعصب کے ہیں ایسے اوقات میں سب فراہم
نظر آتے ہیں اسصورت میں موافق فرمودہ مومن سے غرض ایمان سے ضد اوس غارت گر دین
کو ٹھیری + تجھکو اے مومن خدا سمجھے یہ تونے کیا کیا + اولٹا ترقی باطل کا کھٹکا ہوتا ہے۔ بالجملہ یوں تو
یہ کھٹکا ہمیشہ ہی ہوتا ہے پر آجکل پہلے سے زیادہ باتیں نظر آتی ہیں قدیم سے لیکر آجتک جو یہ تھا
کہ ایمان کم اور کفر زیادہ تو اوسکا باعث یہ تھا کہ خواہش کا غلبہ تھا عقل کا زور دنیا کی آخرت سے عزت
زیادہ رہی پھر ہر شخص اپنی عقل پر نازاں اسلیئے باوجود اس کے کہ اسلام کے لئے کتابیں نازل
ہوئیں پیغمبر آئے معجزے دکھلائے اولیاء کی کرامتیں علما کے دلائل نے حق و باطل کو ظاہر
کر دیا ثواب عذاب کے وعدہ وعید سے بتلایا ڈرایا مطیعوں کو دنیا میں غالب مخالفوں کو مغلوب کیا
اور کفر کیلیئے ان سامانوں میں سے ایک بھی نتھا کفر ہی زیادہ رہا اسلام کبھی عالم میں زیادہ نہوا
حضرت موسی علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے ساتھ وہ احسان کیا کہ کسی صاحب قوم نے اپنی
قوم کے ساتھ نہ کیا ہوگا یعنی عذاب شدید اور قید فرعون سے چھوڑا کر بادشاہ روے زمین بنا دیا
تسپر وہ اولوالعزمی اور توجہ اور ایسے ایسے معجزے کا ہیکو ہوتے ہیں اوہر توافق طت اور بھی
اطاعت کیلیے موید لیکن باایں ہمہ تسلیم احکام میں یہ دقت تھی کہ پہاڑوں کو سر پر اٹھا اٹھا معلق
کرنا پڑتا تھا مگر سامری کے ایک کرشمہ بے معنی پر جو ایک صوت مہمل تھی نہ سوال تھا نہ جواب تھا
دم کے دم میں سب لٹو ہوگئے حالانکہ وہ کرشمہ بے معنی بھی حضرت موسی علیہ السلام کا طفیل
تھا نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اونکی مدد کے لئے آتے نہ اونکے اسپ مادہ کی خاک سم کی تاثیر
دیکھکر سامری اوس خاک سے اپنا کام لیتا وجہ اس برعکسی کی اور کیا ہے یہی ہے کہ یہ چار باتیں
حضرت موسے علیہ السلام کی منشا کی ترقی کی مانع اور سامری کی ترقی منشا کے لئے موید تھیں
جس میں سے اپنی عقل پر اعتماد کر لینا جسکو بصیغہ اعجاب کل ذی راءی برایہ ادا کیا ہے خیر خواہی

فقط اسی وجہ سے تھا کہ اس منہدم کرنے میں جاہلان امت سے جو اخیر میں بکثرت مسلمان ہوگئے
تھے یقین ارتداد و مخالفت تھا سو آپ نے سمجھا کہ اس تغیر و تبدل میں اتنا نفع نہ ہوگا جتنا نقصان
ہوگا اس تغیر و تبدیل میں تو فقط اتنا ہی نفع ہے کہ وقت طواف و دخول خانہ کعبہ سہولت رہیگی اور
خانہ کعبہ حالت اصلی پر آجاویگا اور ظاہر ہے کہ اسمیں کچھ ترقی دین نہیں جو انبیا علیہم السلام کا اولی
کام ہے ہاں نقصان اتنا کچھ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اوس سے زیادہ کوئی نقصان نظر نہیں آتا
وہ کیا ہے ارتداد جم غفیر ہے جو بالکل مخالف غرض نبوت ہے اور پھر مخالفت بھی شدیدہ انبیا لوگوں
کے مسلمان کرنے کے لیئے آتی ہیں یہاں اوںٹا اور کفر بعد اسلام لازم آتا تھا الغرض انبیا علیہم السلام کو
اون اون امور میں جو بذات خود نہ حسن ہوں نہ قبیح منافع و مضار پر نظر رہتی ہے پھر جیسے مزاج
انسانی کے گرم سرد کہنے میں باوجود موجود ہونے اربع عناصر کے غلبہ عناصر پر نظر ہوتی ہے اسیطرح درصورت
تعارض منفعت و مضرت غلبہ کا اعتبار کیا جاویگا چنانچہ خداوند کریم نے بھی تحلیل و تحریم میں اسی پر نظر فرمائی
ہے فرماتے ہیں فیہما اثم کبیر و منافع للناس و اثمہما اکبر من نفعہما ہاں کبھی یہ ہوتا کہ ایک شے اکثر مظہر مضرت
ہوتی ہے اور مظہر منفعت فقط گاہ وبیگاہ ہو جاتی ہے جیسے کذب اکثر اس سے مضرت ہی نکلتی ہے
پھر کلام جس غرض کے لیئے موضوع ہوا ہے یعنی اظہار ما فی الضمیر مظہر منفعت ہو یا مضرت کذب
اوسکے مخالف واقع ہوتا ہے تو ایسے مواقع میں اندیشہ مخالفت ابنائے روزگار رہتا ہے اور یہ مخالفت
موجب تنزل دین و خرابی انتظام دین ہو جاتی ہے اسلیئے انبیاء کرام تا مقدور تعریضات سے محترز
رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کارپردازان کارخانجات رفاہ کو جنکی درستی ایک عالم کے اجتماع پر
موقوف ہو جیسے مثلاً مدرسۃ العلوم لازم ہے کہ ایسی باتوں سے پرہیز کریں کہ عوام اہل اسلام کے تنفر
کا باعث ہو قطع نظر حرمت و کراہت ذاتی کے ایسے شخص کو بہت سے محرمات و مکروہات کے استعمال
سے ایسی خرابی کا دیکھنا پڑیگا جسکے باعث اپنی امید دیرینہ سے دست برداری اور محرومی کا کھٹکا ہے
بالجملہ انبیاء علیہم السلام کے کار میں اگرچہ ریاکاری نہیں ہوتی یعنی دنیا کے مقاصد کو پیرایہ دین سے
طلب نہیں کرتے پر اسمیں بھی شک نہیں کہ دانشمندانہ ہوتے ہیں جاہلانہ نہیں ہوتے سو اگر
ایسی مصلحت اندیشی کی تجویز پر اندیشہ کفر ہے تو یہ عین ایمان کی بات پر کفر کا فتویٰ دینا ہے
اللہم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ اسکے بعد یہ گذارش ہے کہ جناب مبارک

کے ساتھ کئے جاتے ہیں اگرچہ یہ جاتے ہوں کہ اس جسم کے پردہ میں روح انسانی مستور ہے ایسے ہی اوس سلام و ایمان کے ساتھ جو پیرایہ کفر رکھتا ہو خداوند بے نیاز جمیل کو بمقتضاے ان اللہ جمیل یحب الجمال ایمان کے بری صورتوں کو پسند نہیں کرتا نفرت ہو جاویگی اور تمام یا اکثر معاملات وہی کئے جاوینگے جو کفر حقیقی کے ساتھ کئے جاتے ہیں زیادہ حکمت بلقمان آموختن است اسد ہدینا وایاکم الی سواء الصراط واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

بعالیخدمت جناب سید احمد خانصاحب عافاہ اللہ وایای فی الدنیا والآخرہ

کمترین ہیچمدان **محمد قاسم** بعد سلام مسنون گذارش پرداز ہے کل دوشنبہ کے دن دیوبند میں آپکا وہ عنایت نامہ جسمیں تیرہ سوال متعلق زمین و آسمان تھے اس ہیچمداں کے پاس پہونچا اور باعث حیرت ہوا وجہ سوال دیر تک سوچی کچھ سمجھ میں آئی تسپر آپ جیسے عاقل و فہیم و واقف کار کلام اللہ وحدیث کیطرف سے ان سوالوں کا آنا اور بھی تعجب انگیز ہے جی تو یہی چاہتا تھا کہ کیوں اس جھگڑے میں پڑیئے اور اپنی اوقات کو خراب کریئے پر آپکی عنایتوں کی مکافات تھوڑی بہت ضروری سمجھکر جواب سوالات بتفصیل تو نہیں لکھتا ہاں بتقریب جواب خط کچھ اشارہ کئے جاتا ہوں جناب سید صاحب اپنا تو یہ مشرب ہے اور آپ غور فرمائیں گے تو آپ بھی انشاء اللہ ہماری ہی راہ لینگے کہ انبیاء کرام علیہم السلام تعلیم زبان ولغات کیلئے تشریف نہیں لائے بلکہ اوسی زبان کے محاورات میں امتیوں کو تعلیم فرمایا ہے جو اونکی اصلی زبان ہوتی ہے خود خداوند کریم فرماتے ہیں وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ اس صورت میں سماء اور ابواب کے معنی جو زبان عربی میں ہونگے وہی لینے ضرور ہونگے ہاں ہر زبان میں جیسے حقیقی معنوں میں الفاظ کو استعمال کرتے ہیں اور بے تکلف اون الفاظ سے وہ معانی مراد لیتے ہیں تنبیہ اور قرینہ کے محتاج نہیں رہتے ایسے ہی بعض اوقات بہدایت قرائن معنی مجازی بھی مراد لیتے ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ اس صورت میں معنی مجازی کا لینا خود معنی حقیقی کی تحقق کی دلیل ہوگا والعاقل تکفیہ الاشارۃ علی ہذا القیاس ابواب ورا عداد مثل خمس مائۃ اور ستین اور سبعون وغیرہ الفاظ سے معانی وہی مراد لئے جائیں جو معانی عرب کے لوگ ان سے مراد لیتے ہیں اور

کے بیکار جانے کا سبب اعظم ہے اسوجہ سے اس زمانہ میں ایسی باتوں میں مغززنی بیہودہ نظر آتی ہے مگر کچھ آپکا اصرار کچھ مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد کچھ جناب سید صاحب کے اخلاق والطاف کی شہرت نظر بریں دردمندی ومحبت اسلام جو ہمت والوں اور خیرخواہان عالم کے ساتھ زیادہ ہونی چاہئے ۔ دہنے دیا پرسوں یہ خط ملا تھا بعد ظہر جواب شروع کیا تھا اوقات مختلفہ میں لکھ لکھکر اسوقت مابین ظہر وعصر تمام کیا پر یہ سوچتا ہوں کہ یارب اسکا انجام کیا ہوتا ہے میرے تغیر وتبدیل والحاق وتغلیط وتصحیح سے دیکھئے سید صاحب راضی ہوتے ہیں یا ناخوش ہوکر درپے تردید قلم اٹھاتے ہیں مگر یہی بھی ٹھان رکھا ہے کہ ایسے جھگڑے میں پڑکر اپنی اوقات خراب نہ کیجئے ہاں اگر آثار انصاف پرستی جناب سید صاحب کی طرف سے نمایاں ہوئے اور بحکم امرہم شوری بینہم اپنے خیالات سابقہ وحال میں مجھسے بھی مشورہ کرینگے تو انشاء اللہ حسب ارشاد المستشار موتمن مشورہ خیر سے دریغ نہ کرونگا مگر جب اپنی حیثیت اور اونکی وجاہت پر غور کرتا ہوں تو یہ خیال ایک زردی خام نظر آتا ہے اور خود مجھکو اپنے اس جنون پر ہنسی آتی ہے خیر ہرچہ باداباد اب تو آپ کی خدمت میں اس مسودہ ہی کو ارسال کرتا ہوں پر بنظر مصلحت چند در چند یہ گذارش ہے کہ آپ بہت جلد ان اوراق کی نقل کراکر مقابلہ کرکے نقل کو جناب سید صاحب کی خدمت میں روانہ کردیں اور اس اصل کو بجنسہ بہت جلد میرے پاس واپس بھیجدیں اور میریطرف سے بعد سلام یہ گذارش کر بھیجیں کہ اگر اثنا تحریر میں کوئی کلمہ مخالف طبع بوجہ جہل وغفلت مجھسے سرزد ہوگیا ہو تو معاف فرماویں کہ ہم قصباتی انداز گفتگو سے خوب واقف نہیں باقی یہ آپکا ارشاد کہ اجتماع اقرار وتوحید وکفر منجملہ محالات ہے بجاہے کیونکہ یہ ایسا اجتماع ہے جیسا فرض کیجئے کسی روح میں حیوان ناطق اور حیوان ناہق دونوں مجتمع ہوجائیں سوکون نہیں جانتا کہ یہ اجتماع از قسم اجتماع الضدین ہے پر اسمیں بھی شک نہیں کہ روح انسانی کا صورت حمار وسگ وخوک میں آجانا اور ویسے ہی ارواح کو ایسے اجسام کے ساتھ متعلق کردینا جسطرح ممکن ہے اسیطرح ایمان کا صورت کفر میں ظہور کرنا اور کفر کا صورت ایمان میں ظاہر ہونا بھی ممکن ہے اور اسیطرح کے ظہور کے بعد جیسے روح انسانی کو بوجہ صورت وجسم حیوانی سگ وخوک وخر کی اقسام میں سے شمار کیا جاتا ہے اور مثل حیوانات مذکورہ اس سے بھی ہرکسی کو نفرت ہوجاتی ہے اور تمام یا اکثر معاملات اسوقت اسکے ساتھ ایسے ہی کئے جاوینگے جیسے اور حیوانات

اور یا یہ خیال کرمیرے یا تمہارے خیال میں یہ باتیں اور یہ مضامین محض بے فائدہ سمجھ میں آئے ہوں
اون معانی میں انحراف نچاہیئے آپ بھی فرمائیں کہ آپ کی اور ہماری عقل ودانش ہی کیا ہے جسکی
بنی خدا کی مصنوعات میں راے لگانے کو تیار ہوں ہمارے وجود میں جسقدر اجزا بند ہیں اونکی
حقیقت اور اونکی غرض آجتک ہمکو معلوم نہیں ہوئی اور اگر ایک دوکی نسبت کوئی سخن ناتمام
کسی نے کہہ بھی لیا تو کیا ہوا اس سارے عالم کے اجزا اور ارکان ہمکو کیا معلوم ہونگے اور پھر اونکے
حقائق اور اغراض کی کیا اطلاع ہوگی اسلیئے کلام شارع میں جس امر کی خبر یا جس حقیقت کے اثر
کا ذکر ہو ہمکو بے تامل ماننا ضرور ہے ہاں مراتب اختیار کے موافق مراتب تسلیم وایمان کا ملحوظ
رکھنا ضرور ہے مگر چونکہ ادنی درجہ کی روایت حدیث سے بشرطیکہ کسی اعلی درجہ کی روایت یا اپنے
کسی مساوی ہی درجہ کے معارض نہو بڑے بڑے مورخوں کی روایتوں سے زیادہ قابل اعتبار
ہے اسلیئے کہ محدثین نے جن شرائط کو روایت میں ملحوظ رکھا ہے اوروں سے اونکا لحاظ نہوسکا
اور نہ اونکے راوی حدیثوں کے رُواۃ کو پہونچے وہ ضعیف ہی کیوں نہوں تو اسلیئے فرق
مراتب مذکور اگر کچھ اثر کریگا تو اہل ایمان کے حق میں اعتبار ہی کے مراتب کے بڑہانے گھٹانے
میں اثر کریگا موجب بے اعتباری نہوگا بہر حال نہ اپنے خیال کا وہ اعتبار ہے نہ کسی تاریخ کا وہ اعتبار
ہے جسقدر حدیث ضعیف کا اعتبار ہونا چاہیئے اور اگر کسی امام نے قیاس کو حدیث ضعیف سے
بڑھکر بھی سمجھا ہے تو اوسکی یہ وجہ ہے کہ قیاس ماخوذ حدیث صحیح یا متواترات سے ہوتا ہے اس
صورت میں حدیث ضعیف سے قیاس بڑھکر نرہا وہ حدیث صحیح یا متواترات اوس سے بڑھکر
رہے ہاں اگر خدا اور رسول کیطرف جھوٹ بولنے کا احتمال ہو یا قدرت خدا کے سامنے ایسے
ایسے امور عظام کا پیدا کرنا محال ہو تو البتہ ایسی باتوں میں تامل کی گنجایش ہے مگر آپ ہی فرمائینگے
کہ ان باتوں میں سے کونسی بات محال ہے خداوند قدیر ایسے سات جسم جنکا دَل تو پانچ پانچ سو برس
کی مسافت کے برابر ہے اور وسعت کو خدا جانے نہیں بنا سکتا یا اون میں پانسو برس کی مسافت
کے موافق فاصلہ نہیں رکھ سکتا اور یا آفتاب اور قمر کا اپنے حیز سے حرکت کرنا محال ہے یا آسمانوں
میں دروازوں کا ہونا منجملہ ممتنعات ہے یا سات زمینیں مثل سات توپ کے گولوں کے جدی نہیں
بنا سکتا یا اون کے بیچ میں پانچ پانسو برس کا فاصلہ نہیں رکھ سکتا یا اونمیں آبادی نہیں ہوسکتی

ممکن اور محال کی تعریف کو ان امور پر مطابق کر کے دیکھیے معلوم نہو تو پوچھیے ہاں اتنی گذارش ملحوظ
رہے کہ محال و ممکن کی تعریف کسی کسی کو معلوم ہے یہی وجہ ہوئی کہ بڑے بڑے آدمی اکثر ممکنات
کو محال سمجھ بیٹھے مگر پہلے سے کسی کی نسبت یہ گمان کر لینا کہ وہ سمجھتے نہ ہونگے کسی عاقل کا کام
نہیں اور نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ خاتم النبیین سے یہ بات بالیقین سمجھنی ضرور ہے کہ عالم
میں اس زمین میں کوئی نبی ہو یا کسی اور زمین میں سب آفتاب محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسطرح
مستفید ہیں جیسے آفتاب سے آئینہ مستنیرہ یا قمر منیر یا نیرات افلاک یا ذرات خاک یعنی جیسے ذرہ ہوا
مقابل آئینہ مستنیرہ کے نور معدن کی تجسس کرتے ہیں تو فرض کرو آئینہ پر نظر پڑتی ہے اور اوسکے
نور کے بعد معدن کو ڈھونڈھتی ہے تو آفتاب تک پہونچتی ہیں اور پھر آفتاب پر سیر ختم ہو جاتی ہے
یہ نہیں کہہ سکتے کہ آفتاب کا نور کہیں اور سے اسطرح آیا ہے ایسے ہی اور انبیا کی نبوت تو آپ کی
نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اسبات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان
اور آخر الادیان ہونا اسطرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا یا کھیتی میں بال کا
سب میں پیچھے ظاہر ہونا اسبات کی تحقیق زیادہ مطلوب ہو تو رسالہ تحذیر الناس مؤلفہ احقر مطبع
صدیقی بریلی سے منگا دیکھیے اس وقت اور زمینوں میں جو انبیا آپ کے مشابہ ہونگے اونکی مشابہت
ایسی ہوگی جیسے عکس آفتاب جو آئینہ ہوتا ہے ہو بہو آفتاب کے مشابہ ہوتا ہے اور پھر سب جانتے ہیں
کہ آفتاب اصل ہے اور عکس آفتاب اوسیکا پرتو اور نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ جیسے آگ کو
دیکھکر حرارت کی نسبت بھی یقین ہو جاتا ہے اسطرح حرارت کو کہیں پا کر آگ کا تیقن کم فہمی کی نشانی
ہے یہ جدی بات رہی کہ حرارت کیلئے جیسے آفتاب سبب ہو سکتا ہے ایسے ہی آگ بھی سبب ہو سکتی
ہے سو طلوع و غروب صیف و شتا خسوف و کسوف کا حساب جیسے اس صورت میں راست آجاتا ہے
کہ آفتاب کو ساکن مانئے اور زمین کو متحرک رکھئے ایسے ہی اسطرح بھی برابر آتا ہے کہ آفتاب کو متحرک
کہئے زمین کو ساکن تجویز کیجئے علی ہذا القیاس اگر آفتاب کے لئے حرکت سالانہ ہو اور زمین کے لئے
حرکت وضعی مخالف جہت حرکت آفتاب ہو تب بھی یہی ثابت ہے اور اگر دونوں کو متحرک سے فی
الدارین رکھئے پر ہر ایک کی جہت جدی ہو اور سرعت و بطو میں یہ حساب ہو کہ جتنی دیر میں بطلیموس کے
نزدیک آفتاب اپنا دورہ پورا کرتا ہے اوس سے دو چند دیر تو اوسکے لیے رکھئے اور جتنی دیر میں

کیا حقیقت اسیطرح نصوص شرعیہ معلوم الوضع غیر متشابہ اور متشابہ کو سنکر اونکے معانی یا حقیقت میں متامل ہونا آپ سے عاقلوں کا کام تو کیا جاہلونکا کام بھی نہیں اور جو باتیں شاہ صاحب کی طرف سے بیان ہوئی اور احتمالات عقلی اوس میں گوناگوں ہوں اوسکی تحقیق بغرض عقیدہ محض تضیع اوقات اور اگر خدانخواستہ پاس سخن ہے اور آپ سے عاقلوں کو کاہی کو ہوگا تو اوسوقت نہ پوچھنے سے کچھ فائدہ نہ بتلانے سے کچھ نفع والسلام فقط شکر ہے کہ سید احمد خانصاحب کے خط کا جواب ختم ہوا۔

جواب مولوی محمد قاسم صاحب رح کا درباب تقلید و تراویح آٹھہ رکعت اور پڑہنا ضاد کا بمخرج ظا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدمت میں علماء دین کے عرض ہے کہ ایک شخص کوہ لنڈھورہ پرگنہ نگینہ ضلع بجنور کا رہنے والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظا پڑہو ورنہ نماز باطل ہوگی اور تراویح آٹھہ رکعت پڑھو بیس رکعت پڑہنا فضول ہے اور تقلید کسی امام کی نہ کرنا چاہیئے جسحالت میں کہ چاروں مذہب درست ہیں پھر امام اعظم رحمۃ اللہ کی تقلید سے کیا فائدہ ہے جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مزین فرماکر ارسال کریں کہ اوس شخص کو جواب دیا جاوے۔

جواب مخدوم من میاں جی گیسا صاحب سلامت۔ بعد سلام یہ گذارش ہے کہ میں پرسوں تیسرے روز پیر کے دن دیوبند سے یہاں اپنے وطن میں پہنچا آپکا خط ملا دیکھ کر رنج ہوا کیا خدا کی قدرت ہے کہ آجکل جسطرف سے صدا آتی ہے یہی آتی ہے کہ وہاں مسلمانوں میں اختلاف ہے وہاں نزاع ہے کہیں سے اتفاق کی خبر نہیں آتی ہاں کفار کے جتنے افسانے سنے جاتے ہیں یہی سنے جاتے ہیں کہ یوں اتفاق ہے اسطرح اتحاد ہے خیر بجز انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہیئے آپ کی خوشنودی خاطر منظور ہے اسلئے جواب لکھتا ہوں ورنہ ایسے جھگڑوں میں دخل دینا محض فضول سمجھتا ہوں جناب من جیسے بے کی جا تے اور دال کی جگہ ذال اور حا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین

فیثاغورسیوں کے نزدیک زمین اپنی حرکت وضعی پوری کرتی ہے اوس سے دوچند دیر اوسکے لیے رکھیئے تو بھی حساب برابر آئے اور اگر سرعت وبطوءمین اس تفاوت کے سوا اور تفاوت تجویز کیجئے پر جتنا ادہر گھٹتا ہے اودہر اتنا ہی بڑہا دیجے مثلاً یہ چالیس گھنٹہ میں دورہ پورا کرے تو وہ چھپن میں حرکت مجوزہ طرفین سے کسی کی حرکت زیادہ سریع ہو تو پھر ہزارہا اصل نکل آئیں گے اس صورت میں یقین احتمال واحد بالیقین اوس سے بھی زیادہ نادانی کی بات ہے کہ کسی پتھر کی فقط حرارت کے وسیلہ سے اگ کا تعین کرلینا کیونکہ وہاں دوتین ہی اصل تھی یہاں غیر متناہی احتمال ہیں ہاں جیسے آگ کے وسیلے سے پتھر کی حرارت کا یقین اپنی انکھ کے بہروسے یا کسی مخبر صادق کے بہروسے کر سکتے ہیں ایسے ہی تعین احتمال واحد یعنی حرکت آفتاب بوسیلہ قرآن شریف یعنی جہت یسبحون وغیرہ اور نیز احادیث کثیرہ کر سکتے ہیں باقی اس سے زیادہ گفتگو کہ پہر زمین بالکل ساکن ہی ہے یا کوئی حرکت اسکی بہی ہے اور کواکب میں آبادی بھی ہے یا نہیں اور زمین ٹھوس ہے یا اسکے بیچ میں کچھ خلو یا آبادی بھی ہے اور آسمان محیط عالم کروی یا بیضوی ہے یا مثل تختہ مسطح ہے ایک وسیع چیز اور وسیع سیارہ میں سے ہر ایک کیلئے آسمان ہے یا ایک ہی میں مرکوز ہیں یا کسی میں مرکوز نہیں تو اون میں افلاک جزئی ہیں یا آسمان کا ثخن ایک جسم سیال ہے اور اسیوجہ سے کواکب سطور سے متحرک ہیں کہ قرب وبعد مشہود صحیح ہوجاتا ہے اور باایں ہمہ مثل آب بعض کہ باوجود متحرک وسیلان کے مجموعہ کا حیز وہی رہتا ہے آسمان بھی اپنی حیز سے نہیں نکل جاتا علیٰ ہذا القیاس یہ بات کہ اون دروازوں میں کنڈے زنجیر بھی ہیں یا انگریزی کھٹکے ہیں اور ایسے ہی یہ بات کہ کواکب تمام بالذات روشن ہیں یا بالعرض یہ ساری باتیں ہماری توجہ تو غل کے قابل نہیں کیونکہ امکان ہر طرح کا ہے اور مخبر صادق کی طرف سے کوئی تصریح نہیں ہاں عرش کرسی میں بعضے الفاظ اس جانب مشیر ہیں کہ یہ دو چیزیں ہفت آسمان سے علیحدہ ہیں اور بعض الفاظ اس جانب موہم ہیں کہ انہیں میں دو کا نام عرش کرسی ہے مگر چونکہ اسباب میں شارع کی طرف سے نہ کوئی تصریح ہے نہ تکلیف عقیدہ براہ استدلال اسلئے نہ آپ کو اسباب میں سوال مناسب ہے نہ ہمکو جواب واللہ اعلم بالصواب بالجملہ جیسے اس جملہ میں کہ کچہری کھل گئی یا اوسکا دروازہ کھل گیا بعد استماع اور علم وضع حاجت تحقیق نہیں رہتی کہ دروازہ سے کیا مراد ہے اور کچہری کی

اور لام کے مکان ہیم نہ کوئی پڑہتا ہے نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنی سے لیکر اعلیٰ تک ہر کوئی اُن اسباب کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظا پڑہنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے محض تحریف ہے جسکی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آجکل کے عالم کسوجہ سے ایسی نامعقول بات کہدیتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتوونکی مہرونکو دیکھکر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابونکا سمجھنا اور فتوو نکا لکھنا ہر کسیکو نہیں آتا۔ اب تقلید کی بات سنئے لاریب دین اسلام ایک ہے اور چاروں مذہب حق مگر جیسے فن طبابت یونانی یا ڈاکٹری انگریزی ایک ہے اور سارے طبیب کامل قابل علاج اور ہر ایک ڈاکٹر لائق معالجہ ہے اور پھر وقت اختلاف تشخیص اطبار یا مخالفت رائے ڈاکٹران جس طبیب کا علاج یا جس ڈاکٹر کا معالجہ کیا جاتا ہے ہر بات میں اوسی کا کہنا کیا جاتا ہے دوسرے طبیب کی یا دوسرے ڈاکٹر کی رائے نہیں سُنی جاتی ایسے ہی وقت اختلاف آئمہ و مجتہدین جس امام یا مجتہد کا اتباع کیا جا ہر بات میں اوسکی تابعداری ضرور ہے ہاں جیسے کبھی ایک طبیب یا ڈاکٹر کا علاج چھوڑ کر دوسرے کیطرف رجوع کر لیتے ہیں اور پھر بعد رجوع ہر بات میں دوسرے کا اتباع مثل اول کیا جاتا ہے ایسے ہی کبھی کبھی بعض بزرگوں نے زمانہ سابق میں کسیوجہ سے ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا تھا اور بعد تبدیل مذہب ہر بات میں دوسرے ہی کا اتباع کیا یہ نہیں کیا کہ ایک بات ان کی لی اور ایک بات اونکی لی اور اس تدبیر سے ایک لامذہبی کا پانچواں انداز گھڑ لیا امام طحاوی جو بڑے محدث اور فقیہ ہیں پہلے شافعی تھے پھر حنفی ہو گئے تھے بالجملہ بے تقلید کام نہیں چلتا یہی وجہ ہوئی کہ کروروں عالم اور محدث گذر گئے پر مقلد ہی رہے امام ترمذی کو دیکھئے کتنے بڑے عالم اور فقیہ اور محدث تھے ترمذی شریف اونکی تصنیف ہے باوجود اس کمال کے مقلد ہی تھے اعتبار نہو تو ترمذی شریف کو دیکھ لیجئے جب ایسے ایسے عالم اس کمال علمی پر مقلد ہی رہے امام شافعی کی تقلید امام ترمذی نے کی اور امام طحاوی اور امام محمد اور امام ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ کی تقلید کی ہو پھر آج ایسا کونسا عالم ہوگا جسکے ذمہ تقلید ضروری نہو اور اگر کسی بڑے عالم نے اماموں کی تقلید نہ کی بھی تو کیا ہوا اول تو کروروں کے مقابلہ میں ایک دو کی کون سنتا ہے جس عاقل سے پوچھئے یہی کہیگا

کہ جسطرف ایک جہان کا جہاں ہو وہی بات ٹھیک ہوگی باایں ہمہ یہہ کونسی عقل کی بات ہے کہ اس بات میں عالموں کی چال ہم اختیار کریں یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مریض جاہل کسی طبیب کو مرض کے وقت دیکھے کہ اپنا علاج آپ کرتا ہے اور دوسرے طبیب سے دوا نہیں پوچھتا یہ دیکھکر یہ بھی یہی انداز اختیار کرے اپنا علاج اپنے آپ کرنے لگے اور طبیبوں سے کام نہ رکھے تم ہی کہو ایسے آدمی عاقل کہلائیں گے یا بیوقوف سو ایسے ہی کسی عالم کو غیر مقلد دیکھکر جاہل اگر تقلید چھوڑ دیں تو یوں کہو علم تھا یا نہ تھا عقل دین بھی دشمنوں ہی کو نصیب ہوئی اور جاہلوں کو جانے دیجے آجکل کے عالم یقین جانئے کل نہیں تو اکثر جاہل ہی ہیں بلکہ بعض عالم تو جاہلوں سے بھی زیادہ جاہل ہیں دو کتابیں اردو کی بغل میں مار کر وعظ کہتے پھرتے ہیں اور علم کے نام خاک بھی نہیں جانتے ۔ کم سے کم علم اتنا تو ہو کہ ہر علم کی ہر ایک کتاب طالبعلم کو پڑھا سکے باقی رہی تراویح اوس میں جو آجکل کے ملاؤں نے تخفیف نکالدی ہے یعنی بیس کی آٹھ کردی ہیں تو ہر ایک کو بوجہ آسانی یہ بات پسند آئی مگر یہ بات کوئی نہیں سمجھتا کہ آٹھ رکعتیں جو حدیث میں آئی ہیں تو وہ تہجد کی رکعتیں ہیں تہجد اور چیز ہے اور تراویح اور چیز تراویح کی بیس ہی رکعتیں ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہزارہا صحابہ تھے اوس زمانہ سے لیکر آجتک کسی نے بیس رکعت میں کچھ حجت نہ کی تھی مگر آجکل ایسے اَن پڑھے امی عالم پیدا ہوئے ہیں کہ اونہوں نے حضرت عمر اور صحابہ کی بھی غلطی نکالی سبحان اللہ یہ مونہہ اور مسور کی دال باقی یہ کہنا کہ حضرت عمر سے پہلے بیس رکعتیں نہیں پڑھتے تھے یہہ خیال خام ہے یہ بات اتنی بات سے کیونکر نکل آئی کہ حضرت عمر کے زمانہ میں بیس کا اہتمام شروع ہوا دیکھئے پہلے زمانہ میں نکاح ثانی کا اسلئے چنداں اہتمام نہ تھا کہ اس نکاح کو اتنا برا نہ سمجھتے تھے جب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ دیکھا کہ اس امر خیر کو آجکل معیوب سمجھنے لگے اونہوں نے اس کا ذکر اپنی تصانیف میں کیا آخر کار اون کی اولاد اور اون کے شاگردوں نے اسکو جاری کرنے میں کمر باندھی مگر اسکے یہ معنی نہیں کہ یہہ نکاح ثانی شاہ ولی اللہ اور اونکے خاندان کا ایجاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی بات نہیں ایسے ہی بیس رکعت کو

حضرت عمر اور اون کے زمانہ کے صحابیوں کا ایجاد نہ سمجھیے سنت نبوی صلی اللہ علیہ و سلم ہی سمجھیے ورنہ اس کے یہ معنے ہوئے کہ حضرت عمرؓ سنی نہ تھے اون کے زمانہ کے صحابہ کنٹمنی نہ تھے سب کے سب نعوذ باللہ بدعتی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کو مٹا دیا۔ اپنی سنت جاری کردی۔ اب تمہیں فرماؤ حضرت عمر اور اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا برا سمجھنے والا کون ہوتا ہے۔ میانجیو صاحب حضرت عمر اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی پیروی کا حکم تو صحیح صحیح حدیثوں میں موجود ہے ایک دو حدیث لکھے دیتا ہوں اونہیں مولوی صاحب سے اونکا ترجمہ کرالینا جو آٹھ رکعت گاتے پھرتے ہیں ایک حدیث تو یہ لیجیے۔ علیکم بسنتی وسنتہ الخلفاء الراشدین من بعدی۔ دوسری یہ لیجیے اقتدوا بالذین من بعدی۔ تیسری یہ لیجیے۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم

تم بعون اللہ الملک العلام

ناظرین کتاب ہذا کی خدمت میں عرض ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب طاب ثراہ کی تالیفات مطابع مختلفہ میں طبع ہوتی رہیں مگر صحت اور صفائی کا مطلق لحاظ نہ کیا گیا تھا۔ مطبع قاسمی دیوبند نے اب یہ ارادہ کرلیا ہے کہ جمیع تصانیف حضرت رح نہایت تصحیح کے ساتھ اور عمدہ کاغذ پر طبع کرے اور جو غلطیاں اب تک ہوچکی تھیں اونکی پوری تصحیح کرے